برگِ خزاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برگِ خزاں

عبدالعزیز خالد

دوآبہ کوآپریٹو پبلشرز لمیٹڈ
کراچی

جملہ حقوق — بحق مصنف محفوظ
کتاب — برگ خزاں
مصنف — عبدالعزیز خالد
پہلی بار — جنوری ۱۹۶۲ء
دوسری بار — دسمبر ۱۹۶۴ء
بہ اہتمام — تاج لدھیانوی
پبلشر — دوآبہ کواپریٹو پبلشرز لمیٹڈ
پریس — مشہور آفسٹ پریس کراچی
قیمت — چھ روپے

فہرست

قابیل

آدم　　حوا

ہابیل　　یہودا

قابیل　　اقلیما

ہاتف

ابلیس

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ
مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ
إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ
لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ۖ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ
رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ
مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ
نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ فَبَعَثَ اللَّهُ
غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ۚ قَالَ
يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ
أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ۝

القرآن ۵ : ۲۸-۳۲

اور آدم اپنی بیوی حوا کے پاس گیا۔ اور وہ حاملہ ہوئی اور اس کے قائن
پیدا ہوا، تب اس نے کہا، مجھے خداوند سے ایک مرد ملا۔ پھر قائن کا بھائی
ہابل پیدا ہوا۔ اور ہابل بھیڑ بکریوں کا چرواہا اور قائن کسان تھا۔ چند روز
کے بعد یوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت کے پھل کا ہدیہ خداوند کے واسطے
لایا، اور ہابل بھی اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹھے بچوں کا اور کچھ ان کی چربی
کا ہدیہ لایا، اور خداوند نے ہابل کو اور اس کے ہدیہ کو منظور کیا، پر قائن کو
اور اس کے ہدیہ کو منظور نہ کیا اس لیے قائن نہایت غضب ناک ہوا۔ اور
اس کا منہ بگڑا اور خداوند نے قائن سے کہا تو کیوں غضب ناک ہوا۔ اور تیرا
منہ کیوں بگڑا ہوا ہے۔ اگر تو بھلا کرے تو کیا مقبول نہ ہوگا؟
اگر تو بھلا نہ کرے تو گناہ دروازے پر دبکا بیٹھا ہے۔
اور تیرا مشتاق ہے پر تو اس پر غالب آ، اور قائن نے اپنے بھائی ہابل کو
کچھ کہا۔ اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو یوں ہوا کہ قائن نے
ہابل پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا، تب خداوند نے قائن سے کہا کہ تیرا
بھائی ہابل کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں کیا میں اپنے بھائی کا
محافظ ہوں؟ پھر اس نے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ تیرے بھائی کا خون زمین

سے مجھ کو پکارتا ہے۔ اور اب تو زمین کی طرف سے لعنتی ہوا جس نے اپنا منہ پسارا کہ تیرے ہاتھ سے تیرے بھائی کا خون لے، جب تو زمین کو جوتے گا تو وہ اب تجھے اپنی پیداوار نہ دے گی۔ اور زمین پر تو خانہ خراب اور آوارہ ہوگا۔ تب قائنؔ نے خداوند سے کہا کہ میری سزا برداشت سے باہر ہے۔ دیکھ آج تو نے مجھے روئے زمین سے نکال دیا ہے۔ اور میں تیرے حضور سے روپوش ہو جاؤں گا اور زمین پر خانہ خراب اور آوارہ رہوں گا۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی مجھے پائے گا، قتل کر ڈالے گا۔ تب خداوند نے اسے کہا، نہیں بلکہ جو قائنؔ کو قتل کرے اس سے سات گنا بدلہ لیا جائے گا اور خداوند نے قائنؔ کے لیے ایک نشان ٹھہرایا کہ کوئی اسے پا کر مار نہ ڈالے۔

عہد نامۂ عتیق، پیدائش، ب ۴، ۱-۱۵

پہلا باب

(مقامِ مزدلفہ۔ طلوعِ آفتاب کا وقت)

آدم

ہے بے نیازِ علائق وہ ذاتِ بے ہمتا
صفات و ذات میں یکسر منزّہ و یکتا
تمام حمد و ستائش اُسی کو ہے زیبا
وہ جس نے کُن سے کیا کائنات کو پیدا
وہ جس نے دے کے مذاقِ تفحصِ اشیا
کفِ غبار کو سونپی خلافتِ دُنیا
بدیعِ ارض و سما لا الٰہ الّا اللہ

حوّا

اُسی کے فیض سے فرشِ زمیں ہے خلد آسا
فضائے گلشنِ ایجاد ہے نشاط افزا

اُسی کا نام ہے وردِ زبانِ موجِ ہوا
اُسی کا تذکرہ کرتے ہیں اہلِ نطق و نوا
شہیدِ ذوقِ ترنّم ، طیورِ نغمہ سرا
ہمیشہ پڑھتے ہیں سُبحانَ ربّیَ الأعلےٰ
اسی کا حق ہے ثنا لاالٰہ الّااللّٰہ

هابیل

ہر ایک ذرّۂ صحرا ، ہر ایک برگِ چمن
ادا شناسِ رسالت کو ہے صحیفۂ فن
فضائے باغِ عدن ہو کہ دارِ رنج و محن
اُسی کے ذکر سے آباد ہیں دیار و دمن
ضیائے شمس و قمر ہو کہ دیدۂ روشن
اُسی کا نُور ہے خود آشکار و جلوہ فگن
فروغِ صبح و مسا لاالٰہ الّااللّٰہ

اقلیمیا

خرامِ کبکِ دری ، زمزمہ عنادل کا
سرودِ ابرِ بہاری ، سکُوت ساحل کا
فسانہ زُلفِ دوتا کا ، فسوں شمائل کا

صبا کی نرم روی، اضطراب بسمل کا
نمود تاروں کی، نظارہ ماہِ کامل کا
یہ اہتمام مدارتِ دیدہ و دل کا
ہے شانِ پاکِ خدا لاالٰہ الاّ اللہ

پہودا

عجب مقام ہے یہ کارخانۂ قدرت
طلسمِ حیرت و افسونِ وحدت و کثرت
بنا کے محرم اسرارِ حرمت و حلّت
دیا ہے اذنِ تمتّع بشر کو بے منّت
وہ خوش نصیب میسّر ہو جس کو یہ نعمت
ہمیشہ کیوں نہ رہے سرخوش مئے طاعت
کہ ہے یہ عینِ وفا لاالٰہ الاّ اللہ

(قابیل جیب بہ جیب خموش ہے)

آدم

کھڑے ہو سکت وندامت حضورِ باری ہیں
یہ خامشی تو ہے اعلانِ سرکشی، قابیل!

قابیل

الم ہے میرے مقدّر میں ابتہاج نہیں
مجھے نیاز فروشی کی احتیاج نہیں
عطا کیا ہے مجھے غم نے ذوقِ استغنا
مرا سکوت ہے اِک احتجاج سرتاپا

آدم

ہے خوب ذوقِ خودی بھی مگر یہ مت بھولو!
کہ بندگی سے بلندی نصیب ہوتی ہے
دل انکسار سے ہے کارگاہِ شیشہ گراں
ہے ابتہال و تضرّع، وظیفۂ انساں!
اسی میں غایتِ تخلیقِ انس و جاں ہے نہاں
یہی ہے صبحِ ازل سے مشیّتِ یزداں
فروتنی سے بشر باکمال ہوتا ہے
کہ دانہ خاک میں مل کر نہال ہوتا ہے
کیا ہے تُو نے متاعِ غرور کا سودا
مزخرفات کو سمجھا، خلاصہ خوبی کا
جو سرکشیدہ ہو، وہ پامال ہوتا ہے

کہ ماسوا کو ہمیشہ زوال ہوتا ہے

قابیل

جہاں میں شے کوئی شایانِ آرزو بھی تو ہو
کہ جس کے واسطے درگاہِ کبریائی میں
زبان، حمد و ثنا کا خراج پیش کرے

آدم

بذاتِ خود بشریت ہے نعمتِ عظمیٰ
یہ عرصۂ سحر و شام میں مجالِ نفس
یہ بیکرانہ و مستانہ زندگی کے فیوض
کہ جن سے عہدِ الست استوار ہوتا ہے
تری نظر میں سزاوارِ اعتبار نہیں؟
ہوا نہ منکرِ احساں کبھی مذاقِ سلیم
کہ اہلِ ہوش کو سمع و بصر ہیں عینِ یقیں

قابیل

کوئی ٹھکانہ ہے اس زندگی کی نعمت کا
ہمیشہ رو بہ تنزل، ہمیشہ پا بہ رکاب

برنگِ غولِ بیاباں ، بسانِ تارِ سرب
ہمیشہ مقبل و مدبر ، ہمیشہ خانہ خراب
اسی مذاق کا واجب ہے مجھ پہ شکرانہ؟
مری جبیں نہیں جھکتی نیاز مندانہ
کہ ہے یہ پیرویٔ شیوۂ گدایانہ
ہر ایک پھول خزانی ہے باغِ عالم کا
کوئی بتائے کہ وہ نعمت و نوازش کیا
سرشت جس نے تلوّن پسند پائی ہو
دل و جگر کا لہو جس کو مومیائی ہو
مجھے تو منتشر اجزائے کلیات جہاں
پیام دیتے ہیں آزادی و بغاوت کا

آدم

نعوذ باللہ من شرورِ انفسنا

حوّا

نعوذ باللہ من شرورِ انفسنا

ہمارے سامنے بول بے لگام بکتے ہو
کہ جس طرح شتر بے مہار ہرزہ تاز

اگرچہ تیری طبیعت ہے خانہ برانداز
بہ رائیگاں نہ کر اندوختہ جوانی کا
رموزِ کون و مکاں ہیں حریفِ سعیٔ کشود
قبول کر تو اُسے ہے جو حاضر و موجود
ضمیمۂ قلب ہے کر سعی تو سمجھنے کی
خدائے پاک کی رحمت ہو دستگیر تری
عطا کرے وہ تجھے روشنی بصیرت کی

آدم

مرے عزیزو! مناجات ہو چکی مجھو
ذرا کچھ اپنے خورونوش کی بھی فکر کریں
کہ کیمیائے سعادت ہے کسب و اکلِ حلال
رضائے حق کے لیے ہے عارفِ طریقت کو
نظارۂ گل و گلزار میں ضروری ہے
خیال کی نگرانی، نظر کی دربانی
یہ نکتہ داغ سویدائے دل سے پیدا ہے
کہ جسم رہنِ عناصر ہے، روح لافانی!

حوّا

مرے عزیز! ذرا دیکھ اپنے بابا کو
کہ کیسے شکر گزار و شگفتہ خاطر ہے
ہے آبرو کی تمنّا تو بن سعادت مند
کہ مانتے ہیں برومند، والدین کے پند
(آدم اور حوّا چلے جاتے ہیں)

یہودا

(قابیل سے)

یہ ٹھیک ہی تو ہے بھیّا!

ھابیل

تمہاری آنکھوں میں
عمیق سوچ کی افسردگی جھلکتی ہے
جبیں سے عزم کی شوریدگی ٹپکتی ہے
کہ جیسے برسرِ پیکار ہو زمانے سے
دل و دماغ سے یہ وسوسے ہٹاؤ بھی
اُٹھو کہ ہم روشِ باغ و راغ میں گھومیں

اقلیمیا

خدانخواستہ ناراض تو نہیں قابیل ؟
کہ آج باتوں میں پاتی ہُوں اجنبیّت سی
جھلک رہی ہے نگاہوں سے بے کلی دل کی

قابیل

عزیزِ خاطرِ آشفتہ ! کوئی بات نہیں
یُونہی مزاج میں ہے انتشار کا عالم
تو فکر مند نہ ہو انقباض وقتی ہے
پھلوں کو چل کے کرو جمع میں بھی آتا ہُوں
ذرا اکیلے میں کچھ سوچنے کی مہلت دو
کہ میری پلکوں میں لہراتے ہیں پریشاں خواب
سکون کے متمنّی ہیں مضمحل اعصاب

اقلیمیا

اگر نہ آئے تو پھر میں بھی لوٹ آؤں گی

ھابیل

تمہارے حال پہ پروردگار رحم کرے!

(یہودا، ہابیل اور اقلیما چلے جاتے ہیں)

قابیل

یہ زندگی ہے کہ منشورِ نامرادی کا!
ہمیشہ بر سرِ آزار و گوشمال و گزند
عناں گسیختہ، شوریدہ خو، فساد پسند
نہ ہو سکی کسی قانون کی کبھی پابند
وہی مقام، وہی فاصلے، وہی وحشت
یہ کاروانِ بلا بے درا روانہ ہے
جفائے دشت ہے سنگینیٔ زمانہ ہے
وہی سفر، وہی واماندگی، وہی حسرت
خرد کی بخیہ گری ہے جنوں کی پردہ دری
نہ دن کو چین میسّر، نہ رات کو راحت
زہے نتایجِ تحدیدِ یک گناہِ بے لذّت
یہ زندگی ہے کہ تعزیرِ جرمِ ناکردہ
فریبِ دانۂ گندم میں آ کے آدم نے

نعیم خلد سے انسان کو کیا محروم
وہ ذات جس کو خبیر و بصیر کہتے ہیں
جو جرم پوش و خطا بخش و فیض پرور ہے
خلف کو دیتی ہے آبا کی لغزشوں کی سزا!
گناہ باپ کا اولاد بھگتے خمیازہ
عجب قضا ہے، عجب معدلت پناہی ہے!
کھلا نہ مسئلۂ اختیار و مجبوری
سمجھ سکے نہ ہم اسرارِ قربت و دوری
بنی ہے درد کی تصویر زندگی پوری
تمام طور طریقے ہیں نامرادانہ
کہ دل ہے معرفتِ زندگی سے بیگانہ
مگر یہ کون، جو سیما و قد و قامت میں
ملائکہ سے ممیز بھی ہے مماثل بھی؟

(ابلیس داخل ہوتا ہے)

ابلیس

زمیں نژاد!

قابیل

سفیرِ جہانِ علوی ہو؟

ابلیس

نہاد میں ہُوں میں آذر، سرشت میں شعلہ
دلوں کے راز قیافے سے بھانپ لیتا ہوں
کہ ہُوں زمانے کا سب سے بڑا ستارہ شناس
ہے نام تو مرا ابلیسؔ، کام ہے تلبیس
فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر
ہے خواستہ مرا ساز و یراقِ عیاری
تمہارے سوزِ دروں سے میں خوب واقف ہوں
متاعِ بیش بہا ہے کشاکشِ افکار
نصیبِ ہر کس و ناکس نہیں لبِ اظہار
تمام خلقِ خدا ہے عوام کالانعام
میں دیکھتا ہوں کہ توفیقِ فکر عام نہیں
اسی لیے تمہیں فیروز بخت کہتا ہوں
بلند تم نے کیا ہے علَم بغاوت کا
یہی ہے راستہ انسان کی سیادت کا
یُونہی ملے گا اسے حقِ خُود ارادیت
یُونہی ملے گی زبُونی و مسکنت سے نجات
فروغِ آگہی سے اپنے آپ کو پہچان

حقیقت ابدی ہے تفلسف و تبیان
معاد۔ کذب، مکافات۔ سر بسر بطلان
جزا سزا۔ کسی شوریدہ مغز کا ہذیان

قابیل

یہ تو مرے ہی خیالات کو زباں دے دی
کسی انیس، کسی غمگسار کا ملنا
ریاضِ دہر میں اک امرِ اتفاقی ہے
مرے لبوں پہ نواہائے راز کا تھا ہجوم
مچل رہے تھے معانی، تڑپ رہے تھے سخن
تصورات بھی آئینہ خانۂ دل میں
اُبھر اُبھر کے نگونسار تھے حباب آسا
کہ ان کو آج تلک کوئی ہم نوا نہ ملا
سرود و سوزِ غمِ دل کا آشنا نہ ملا
کہ نکلے مدعی کذاب، صیرفی قلاب
ہیں آج تک متلاشی تھا گوشِ محرم کا
ہوئی ہے بارے وہ دیرینہ آرزو پوری
جو میرے سینے کے اعماق میں سسکتی تھی

ابلیس

مدام راہنما ہوں میں بھولے بھٹکوں کا
مجھے لگن ہے ہمیشہ سے دست گیری کی
مذاقِ نقد و بصیرت کو عام کرنے کی
ہمائے آگہی کو زیرِ دام کرنے کی
حقیر ذرّوں کو گردوں مقام کرنے کی
کہ بے جھنجھوڑے کبھی جاگتا نہیں ادراک
خرد سے بڑھ کے کوئی شے نہیں تہہِ افلاک
یہی ہے کیف و کمِ زندگی کا لبِّ لباب
کہ اک عظیم عطیّہ ہے سوز و سازِ شباب
تمہارے باپ کو تعلیمِ تاب و تب دے کر
درختِ علم و عمل کے قریب لایا تھا
اسی سبب کہ وہ اسرارِ زندگی دوام
سمجھ کے جبرِ مشیّت سے ہو سکے آزاد
وہ قہرمان جو خود کو کریم کہتا ہے
دلوں کو ڈال کے خود معرضِ ہلاکت میں
ہزار رنگ سے دے کر گناہ کی ترغیب
پکارتا ہے یہ خنّاس کے وساوس ہیں

عدوئے دینِ مبیں ہے حذر کرو اس سے
جو خود ہے نقشہ کشِ شاہدانِ گل چہرہ
ورق نگارِ خیالات و نقش بندِ ضمیر
جو نظمِ انفس و آفاق کا مصنّف ہے
محرّک آپ ہے جو کفر کے دواعی کا
بشر کو آلہ بناتا ہے خودنمائی کا
دلا کے شوقِ گنہ سادہ لوح بندوں کو
لکھائے پرچہ نویسوں سے نامۂ اعمال
یہ بندے آہ یہ بےچارگانِ خستہ نصیب
کہ جن کو مبدأ فیاض کی تنک ظرفی
ہمیشہ جام بلب، تشنہ کام رکھتی ہے
ملازمانہ غمِ زندگی کو سہتے ہیں
شکستِ رنگ کی آوازِ نغمۂ نے ہے
نصیبِ گوشِ نیوشا ہے رنجِ استرخا
میں بے دلوں کو پیامِ نشاط دیتا ہوں
عمل کی حریت، افکار کی اباحت کا
میں ذوق و شوق زمانے میں عام کرتا ہوں
مقدماتِ تمنّا، معاملاتِ جنوں
ہمیشہ ہوتے ہیں فیصل، مری عدالت میں

پر ایک شرط بھی ہے مجھ سے فیضیابی کی

قابیل

وہ کیا ؟

ابلیس

کہ ہر متعلّم سے عہد لیتا ہوں
کہ وہ معلّمِ اوّل سے ہو کے رو گرداں
بنے گا میرا ثنا خوان و بندۂ بے دام
عدولِ حکم ہو اعراض ہو نہ سرتابی
کہ ناقصانِ بصیرت کی خو ہے سیمابی

قابیل

خدا کے سامنے بھی سر نہ خم ہوا میرا
کہ معذرت کو شکستِ انا سمجھتا ہوں

ابلیس

مرے فیوض کا اک اعتراف ہے یہ بھی
کہ ایک بندۂ آزاد خود فروش نہیں

یہی ہے مسلکِ اربابِ اجتہاد و نظر
اسی سے قائم و دائم ہے آبروئے ہنر
یہی ہے مشربِ مردانِ انقلاب پسند
کہ سربلند ستاروں پہ ڈالتے ہیں کمند
تلاش رہتی ہے ایسے ہی سرپھروں کی مجھے
خرام موج ہو جن میں اور اضطراب پسند
شرابِ صد قدحِ آرزو خمِ دل میں

قابیل

حیات و موت کے اسرار مجھ کو سکھلا دو
کہ میرے دل سے یہ اندیشہ ہائے دُور و دراز
جو نیشتر کی طرح چبھتے ہیں رگِ جاں میں
نکل کے تجھ کو کریں انشراح صدر نصیب

ابلیس

تو میرے ساتھ چلو پھر

قابیل

کہاں؟

ابلیس

جہاں بھی کہوں

کہ این و آں کے حجابات تار تار کروں
مٹا کے وسوسہ ہائے عذابِ یومِ حساب
عروسِ عیش و مسرّت سے ہمکنار کروں
حریمِ حسُن و محبت کا راز دار کروں
مباش مرتہنِ زاد و بومِ خود نخسی
اسیرِ خانۂ عطلت مشوز کم ہوسی

قابیل

تو میں چلوں گا ضرور آپ کی معیّت میں
رفیق ہو تو موافق، انیس ہو تو شفیق
غبارِ کوچۂ غم، عشق کا سراغی ہوں
مجھے بھی جانیئے اخلاص کوش و حلقہ بگوش
بسی طرح متعدّی تشکوک کی بلغار
گماں کی تاخت و تاراج رُک سکے شاید

(انلیمیا داخل ہوتی ہے)

اقلیمیا

مرے برادرِ پُرفن : کس اہتمام میں ہو؟
چلو کہ کنجِ چمن انتظار کرتا ہے
حرو بر پارۂ برگِ گُل کو دیکھو تو
فضا اُداس ہے اندوہ ناک ہیں منظر
مجھے تو آبِ بقا زہر ہے تمہارے بغیر

ابلیس

زیادہ دیر مجھے تابِ انتظار نہیں
دو ٹوک بات کرو، وقت وصل بار نہیں
عدوئے عزم و عمل ہے فسونِ حُسنِ نگار
چلو شتاب جو دل کو ہے جستجوئے قرار

قابیل

عطا ہو مجھ کو اجازت

اقلیمیا

کہاں چلے قابیل؟

مجھے فراق کا اندوہِ نا شگفتاں دے کر
کہاں کا عزم سفر ہے مرے شریکِ حیات
تمہارے ساتھ میں ہر کرب جھیل سکتی ہوں
ہنسی خوشی غمِ دوراں سے کھیل سکتی ہوں
صبا سمومِ شرر بار ہے تمہارے بغیر
گلاب پیرہنِ خار ہے تمہارے بغیر
سکوں۔ ستم، کرم۔ آزار ہے تمہارے بغیر
مجھے بھی لے چلو قابیلؑ! میں بھی چلتی ہوں
کہ جان جینے سے بیزار ہے تمہارے بغیر
کہ سانس سینے میں تلوار ہے تمہارے بغیر

ابلیس

نہیں یہ ہو نہیں سکتا

قابیل

مری طرف دیکھو
زیادہ ہٹ سے کوئی فائدہ نہیں، سوچو
بہ احترام و رضا مجھ کو اذنِ رخصت دو

اقلیمیا

یہ کون شخص رقیبانہ قسم میں حائل ہے
بتاؤ یہ وہی سوداگرِ زیاں تو نہیں
کہ جس نے خلدِ بریں سے ہمیں نکلوایا
برنگِ مارِ منقّش ہماری امی کو
فریبِ عشرتِ جاوید دے کے بہکایا
یہ فتنہ گر تو ہمارا قدیم دشمن ہے
اس اہرمن سے ہمیں احتراز واجب ہے
ہمیشہ اس کے تعاقب میں نجمِ ثاقب ہے
یہ بد ہمیشہ سے بدخواہِ ابنِ لازب ہے
نہ خوفِ مرگ، نہ اندیشۂ عواقب ہے
رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے یہ لہو بن کر
لبوں پہ حرفِ غزل، بزم میں سبو بن کر
ازل سے کام ہے اس نامراد کا اغوا
ہے بسکہ آپ بھی مردود و خائب و رسوا
صنم پرستوں سے اس کا علاقہ محکم ہے
جو ہو سکے اُسے اپنا مرید کرتا ہے
مرے حبیب بچو اس کی چیرہ دستی سے

کہ اس کے زہر کا پیدا نہیں کہیں تریاق

قابیل

اب اپنے دفترِ دشنام کو لپیٹو بھی
مرے ارادوں کو تم یوں تو منفعل نہ کرو
مجھے بس ایک گھڑی کے لیے اجازت دو
کہ میں سیاحتِ اقلیمِ مرگ کر آؤں

ابلیس

تلاشِ حق میں اساطیر کی حقیقت کیا ؟
تمہیں مرے متعلق یہ بدگمانی ہے
کہ میں نے ہی تمہیں خانہ بدوش کر دیا
کوئی گناہ نہیں اجتہاد کی غلطی !
یہی تو اصل میں اللہ کی مشیّت تھی
کہ جس کو بر و رؤف و رحیم کہتی ہو
کسی بہانے سے تم کو جلا وطن کر دے
اور اس کاس نے سب الزام مجھ پہ تھوپ دیا
ازل سے اس کا یہی شیوۂ کریمی ہے
مرے وجود کو جانو نہ باعثِ آلام

کہ خود شناس ہی بنتے ہیں موردِ الزام
ہے مُصلحوں کا ازل سے معاوضہ دُشنام
ہوا نہ ذوقِ تغیّر کبھی زمانے میں عام
ہوں قُدوۃ الحکماء اور سیّد الاحرار
مری سرشت ہے مانندِ ابرِ گوہر بار
بناؤں دشت و بیاباں کو طبلۂ عطّار
نیاز مند ہیں میرے مفکّر و فن کار
کہ میں ہوں مطلعِ انوار و مخزنِ اسرار
چراغِ بُت کدہ و خشتِ خانۂ خمّار
وداع و وصل کے دیوان کا مصوّر ہوں
زبورِ حرف و حکایات کا مفسّر ہوں
حکیمِ لاادری، رِند لا اُبالی ہوں
خطیبِ شعلہ نوا، مطربِ جمالی ہوں
ترانہ بوالہوسوں کا دُکھی دلوں کی پکار
سرودِ خانۂ ہمسایہ، حُسنِ راہ گذار
نوائے عاشقِ مہجور، صوتِ صلصلِ وسار
مؤلّفِ عبرات و مصنّفِ نظرات
نقیبِ عشرتِ امروز و دعیٔ شہوات
اسی لیے منتقلِ خطاب ہے میرا

نشان بربط و چنگ و رباب ہے میرا
پُرانے دفتوں میں مجھ کو لئیم کہتے تھے
نیا خطاب تقدّس مآب ہے میرا
ہمیشہ لیتے ہیں جس کو وہ نام ہے میرا
مرا ہے مے کدہ، کأس الکرام ہے میرا
مئے نشاط سے لبریز جام ہے میرا
اُمید ہے کہ خلش دُور ہو گئی ہو گی
مری زبان پہ لاریب اعتبار کرو
بس ایک پل کے لیے اس کا انتظار کرو
(قابیل سے)

چلو چلیں!

(دونوں چلے جاتے ہیں۔ وہ تھوڑی دیر میں دُور
بادلوں میں غائب ہو جاتے ہیں)

اقلیمیا

(پکارتی ہُوئی ان کے پیچھے دوڑتی ہے)

مرے قابیل اس کے ساتھ نہ جا!
کہ اس کی باتوں سے بُوئے فساد آتی ہے
یہ سرکش و متمرّد یہ مفتری عیّار

ہمیشہ پڑتی ہے اس نامراد پر پھٹکار
ہے تو ہی آئی بلاؤں کو ٹالنے والا
ہے گرچہ بادۂ توحید کا وہ متوالا
الٰہی! تو مرے قابیل کی حفاظت کر!
کہ آج شومئ قسمت سے بن گیا رہبر
بساطِ کفر کا شاطر وہ آتشیں پیکر
لہیبِ نار و غضبندہ و دہرِ شرر
جو آدمی کا شروعات سے ہے خصمِ مبیں
وہ جس کا سحر سرِ کہکشاں و بروئے زمیں
لبوں پہ کلمۂ گستاخ آ ہی جاتا ہے
اگرچہ وہ غلط اندیش ہے خسرا نہ گر
قرینِ جاں کا ہے بخش، الٰہی بچا اس کو!

دوسرا باب

(تحت الثریٰ)

(ہابیل و قابیل داخل ہوتے ہیں)

قابیل

یہ دارِ کرب و بلا، یہ جہانِ تیرہ و تار
نفس کی آمد و شد بھی ہے جس جگہ دشوار
رقیبِ مہر و اماں جس طرح کہ گورستان
دکھائی دیتا ہے آسیبی چاند راتوں میں
یہ خواہشات کا مدفن یہ آرزو کا مزار
گناہ کی طرح حزیں، دھیان کی طرح خاموش
کہ جیسے رات کو بین گھولتا ہو سناٹا
یہ کیسی روشنی ہے سانجھی فضاؤں میں
کہ جیسے اوڑھی ہو ہر شے نے بیوگی کی ردا
یہ شاخِ تمدنی مارِ سیاہ پیچیدہ

ہر ایک شے متحجّر، مہیب و وحشت ناک
ستم کی طرح گراں، درد کی طرح سفاک
کہ جیسے اس پہ مسلّط ہو عالمِ سکرات
فصیلِ شہرِ جدائی پہ سلگتی ہوئی رات

ابلیس

یہ ظلمات جیسے غم کا نگار خانہ کہیں
جیسے عروسِ حقیقت کا آستانہ کہیں
یہی ہے موت کی اقلیم بے حدود و ثغور
کہ جس کے درک سے عاجز ہے آدمی کا شعور
یہی ہے عرصۂ محشر، یہی مقامِ نشور

قابیل

یہ کیا ہے اصلِ فنا؟

ابلیس

تو تمہارے خالق نے
تمہیں بتایا نہیں، ماندگی کا وقفہ ہے
[illegible] جس کو ذات کہتے ہیں۔

یہ کائنات کے چہرے کا دُوسرا رُخ ہے
پُرانے بھُولے ہوئے درس کا اعادہ ہے
نئے ظروفِ مشجر میں کہنہ بادہ ہے

قابیل

حیات و موت کا آخر یہ فلسفہ کیا ہے؟
یہ زندگی، یہ تناسخ، یہ بعث بعد الموت؟
خرد کی بھُول بھُلیاں ہیں ذہن سر گرداں
نہ ابتدا کی خبر ہے، نہ انتہا کا نشاں
بس ایک قافلۂ عمر کا جو بے جرس ہے رواں
ہے کیا خلافت و بعثت کی غایت پنہاں؟
جہاں میں ہر طرف افسردگی ہے نالے ہیں
جو دل گداختہ ہیں، درد کے حوالے ہیں
فروغ کاہش و حیرت میں مصلحت کیا ہے
یہی ہے عشرت ہستی تو مسکنت کیا ہے
کوئی تو کھولے معمائے انفس و آفاق،
کہاں سے ملتا ہے زہرِ حیات کا تریاق
یہ فرصتِ زیست کا ہوتا ہے کس طرح بے باق
ہیں دھڑکنیں دلِ گیتی کی نالہ سنجِ فراق

نوائے درد سے لبریز ہیں ریاض و رواق

ابلیس

یہ درد و غم اُسی دہاب کا ہے فیضِ عمیم
وہی ، وہی جو ہے شیرازہ بندِ عظمِ رمیم
جو مُشتِ خاک کو اندوہِ روز و شب دے کر
پڑھا رہا ہے وظیفہ ، بنامِ ربِّ کریم
جو ڈال کے دلِ حوّا میں اُلفتِ ہابیل!
دکھائے جادۂ سر منزلِ خیام و قعود
نشارہ اوج پہ رہتا ہے اس عطائی کا
ہماری سعی رہی ہے ہمیشہ نامشکور
اُسی خدا کی ہے یہ سنتِ کریمانہ
کبھی جو کرتا نہیں فرقِ درمیانِ عباد

قابیل

یہاں سے بھی کوئی درمانِ دردِ دل نہ ملا
نہ کامیاب ہوئی جستجوئے شہرِ مراد

ابلیس

تو اچھّی بات ہے دُنیا کو لوٹ چلتے ہیں
عجیب ہے یہ مناظر بھی تم کو کھُلتے ہیں
جو نامرادِ ازل ہوں کہاں سنبھلتے ہیں
ہمیشہ اپنے جہنّم میں وہ تو جلتے ہیں!

تیسرا باب

(کرۂ ارض)

(قابیل اور اقلیمیا داخل ہوتے ہیں)

اقلیمیا

خموش ، ہولے ، دبے پاؤں سے چلو قابیل

قابیل

یہ لو ! مگر یہ کہو کیوں ؟

اقلیمیا

ہمارا ننھا حنوک

ہے محوِ خواب صنوبر کے نیچے پتوں پر

قابیل

صنوبر! اُف یہ تو مظہر ہے نامرادی کا
کہ جیسے پہنے ہوئے ہو کوئی لباسِ سیاہ
اور آس پاس کی چیزوں پہ محوِ ماتم ہو
یہی ملا تمہیں بچے کے شامیانے کو ؟

اقلیمیا

فقط یہ بات تھی اس کی گھنی ہوئی شاخیں
شعاعِ تیز کو باہر ہی روک لیتی ہیں
اور اس کے نیچے گھنا سایہ رات ہو جیسے

قابیل

عجب چیز ہے دُنیا میں عقل عورت کی
ہمیشہ رہتی ہے جو آرزو کی دُنیا میں
حقیقتوں کا کبھی سامنا نہیں کرتی
کہیں یہ خواب خوش آئند دائمی ہی نہ ہو
تمہارے ذہن فردمایہ نے کبھی سوچا ؟

اقلیما

تمہارے ہونٹوں سے کیسے سخن نکلتے ہیں
مرے کلیجے کو رہ رہ کے جو مسلتے ہیں
ہمیشہ رہتے ہو خواب و خیال میں غلطاں
تمہارے چہرے پہ ہے نقش سوگواری کا
پناہ ڈھونڈھتی ہے سایوں کی وادیوں میں کہیں
جہاں نشانِ کفِ پا کا بھی ملے نہ سراغ
مذاقِ سیر و تماشا، نہ گفتگو کا دماغ
ابھی تو کتنے ہی اوراق نا نوشتہ ہیں
اُمید وار ہیں شکر و سرور کے عنواں
ابھی تو شاہدِ ہستی ہے دل نواز و جواں
مجلسوں کا مہیا ہے سب سر و ساماں
کبھی تو دُختر و فرزند کی طرف دیکھو
رُ کہکشانی میں جگنو، چمک میں تارے ہیں
یہ بھولے بھالے دِرَم میں دُلارے ہیں
نظر میں جچتے ہیں کیا دل نشیں نظارے ہیں
اس اپنے ننھے گھروندے کو خُلد ہی سمجھو
رہیں گے ہم تو یہیں تازہ جنتیں آباد

کبھی نہ جن میں چلے گی ہوائے بغض و عناد
تو دل شکستہ نہ ہو، مہرباں ہے ربِّ عباد

قابیل

یہ بچّے جن کو دُرِ شاہوار کہتی ہو
جو خواہشوں کا مدار، آرزو کا محوُر ہیں
جو حزن و یاس کی سینہ فگار ظلمت میں
نمُودِ نجمِ سحر ہیں، شعاعِ خاور ہیں
خیال و خواب کے ایوان جن سے روشن ہیں
جو بُلبلوں کی طرح رات دن نوا زن ہیں
جو تیری گود میں آسُودۂ نشیمن ہیں
یہ نسترن بدن و لالہ فام و گلُ اندام
پلائے گی انہیں صد شیوہ گردشِ ایّام
کشیدِ حنظل و زقوّم کا لبالب جام
اس آب و دانہ کا ہے موت ہی اگر انجام
تو اس حیات سے پھر نیستی ہی بہتر ہے

اقلیمیا

تم اس شریر کی آشفتہ کار صحبت سے

کچھ اور بھی متشائم سے ہو گئے قابیل
خدا کا شکر ہے لیکن کہ لوٹ آئے شتاب

قابیل

شتاب؟

اقلیمیا

تم کو مشکل لگی ہیں دو گھڑیاں ——!
جو گرچہ میرے لیے بڑھ کے تھیں برس دن سے

قابیل

اور اتنے عرصے میں ہیں گھوم پھر کے لوٹ آیا؟
مرے خیال میں سالوں ہی لگ گئے اس میں

اقلیمیا

لگی ہیں بس یہ تو مشکل سے کوئی دو گھڑیاں

قابیل

تو بس سے ذہن پہ یہ نکتہ آشکار ہوا

کہ خود وہی ہے زمان و مکان کا پیمانہ
عیارِ عالمِ اعیان و کثرت و وحدت
میں سوچتا تھا کہ بحرِ خلود سے میں نے
چرا کے رکھ لیے آبِ حیات کے قطرے
پر اب تو مجھ کو بھی ہونے لگا ہے یہ محسوس
درُست اُس نے کہا تھا کہ زندگی ہے فقط
طلسمِ ہیچ میرزی و ہیچ مقداری

اقلیمیا

تمہاری باتوں سے آتی ہے کفر و شرک کی بو

قابیل

تو کھینچ لو مرے ہاتھوں سے اپنے دامن کو

اقلیمیا

خدا نکردہ کبھی دیکھنا پڑے یہ دن
تمہارے ہاتھ میں ہے میری زندگی کی کلید

ہمارا بھائی ادھر آ رہا ہے

قابیل

ہا! ہابیل!

(ہابیل داخل ہوتا ہے)

ہابیل

سفر سے لوٹے ہیں کب میرے محترم بھائی؟
سنا تھا میں نے کہ ابلیس کی رفاقت میں
گئے ہیں آپ عدم زار کی سیاحت کو
مگر یہ آپ کی نا مصلحت شناسی ہے
کہ ربطِ باہمی رکھتے ہیں اس ستمگر سے
سرشت جس کی جدائی، مزاج جو بھی
جنابِ آدم و حوّا کا دشمنِ ازلی

(اقلیمیا سے)

بہن ذرا، چلی جاؤ کہ ہم اکیلے میں
حضورِ ربِّ تبارک میں دیں گے قربانی

(اقلیمیا چلی جاتی ہے)

قابیل

تم اس طرح مجھے مجبور مت کرو ہابیل
کہ یہ وظیفہ طبیعت کو سازگار نہیں

ہابیل

پُرانا وعدہ ہے یہ میرے محترم بھائی
جو وضعدار ہوں پیمان سے نہیں پھرتے
کہ پاسِ عہد سے ہے دوستی کی نشو و نما

قابیل

تمہاری وجہ سے اس ابترئے روحانی
اس آزمائشِ جسمانی سے گذرتا ہوں
تمہیں نصیب ہر آسائش و فراوانی
نشانِ سروری و تمغۂ جہانبانی!
چمن میں سبزۂ بیگانہ کی نگہبانی!
ریاضِ دہر میں گلچیں کی تنگ دامانی
مجھے تو رکھتی ہے مصروف سوزِ پنہانی
گریز پا ہے بہار، آب و رنگ ہے فانی

یہ زندگی ہے مصوّر کتابِ نادانی
نشاطِ کار کا انجام ہے پشیمانی

(اپنی اپنی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں، اور قربان گاہوں
کے گرد آگ روشن کر دیتے ہیں۔ ہابیل کی قربان گاہ کی آگ
شعلہ زن ہو کر بلند ہوتی ہے اور ایک آتشیں ستون بن کر
آسمان پر پہنچ جاتی ہے جو قبولیت کی علامت ہے۔ مگر
قابیل کی قربان گاہ ہوا کا ایک تند و تیز جھونکا آ کر الٹ دیتا
ہے اور اس کے پھل پھولوں کو زمین پر بکھیر کر رکھ دیتا ہے)

ہابیل

ڈرو کہ تم پہ غضب ناک ہے اِدو نائی
تمہاری باتوں سے ناراض ہو گیا یہواہ!

قابیل

تمہارا رب بھی تمہیں کو پسند کرتا ہے
مرے خلاف خدائی کے کارخانے کا
ہر ایک بل نفسِ مبتلائے سازش ہے
تمہارے حال پہ ہر رنگ میں نوازش ہے
مرے جہان میں فریاد و نالہ و شیون

عرق ہے چینِ جبیں کا عمل ہے محنت ہے
حصول کچھ نہیں بے فائدہ مشقت ہے
تمہارے آرزو انگیز زمزمتان ہیں
وفورِ عیش ہے افراطِ ناز و نعمت ہے
اس اختلاف کو برداشت کر نہیں سکتا
تمہیں ہی ماردوں اگر آپ مر نہیں سکتا
کہ سرفروش عقوبت سے ڈر نہیں سکتا

(قربان گاہ سے جھپٹ کر ایک لکڑی اٹھا لیتا ہے
اور ہابیل پر حملہ کرتا ہے وہ زخمی ہو کر گر پڑتا ہے)

ہابیل

یہ کیا کیا مجھے کس جرم کی سزا دی ہے؟
تمہاری اس حرکت کو خدا معاف کرے!
یہ جانِ زار اُسی کے سپرد کرتا ہوں
کہ ہے اسی کو بقا لا الٰہ الا اللہ
رفیقنا الاعلیٰ لا الٰہ الا اللہ

(دم توڑ دیتا ہے)

ھاتف

حقیقتِ ابدی : کل من علیہا فان
ہمیشہ جس کا رہے نام اس کو تو پہچان
حریمِ قدس میں کہتی ہیں حوریانِ حسان
ہوا و حرص کی دُنیا میں کھو گیا انسان
سفر کی پہلی ہی منزل میں سو گیا انسان!

قابیل

یہ کس کا خون بہا ، کس لیے کیا میں نے؟
وفورِ جوش میں ہابیل نیک طینت کو
شرارِ زیست سے محرُوم کر دیا میں نے
یہ کیسا گوہرِ یک دانہ کھو دیا میں نے
دلوں میں بیج عداوت کا بو دیا میں نے

(یہوداؔ داخل ہوتی ہے)

یہودا

یہ کیسی ضرب تھی ، کس چیز کا دھما کا تھا ؟
کہ یک بیک مرے دل میں اک ارتعاش ہوا

(ہابیل کی نعش پر نظر پڑتی ہے)

یہ مجھ پہ وار کیا کس کے خبثِ باطن نے
یہ کس نے لوٹ مری طاقتِ پر افشانی
بجھا دی کس نے مری زندگی کی تابانی؟

(سینہ کوبی کرتی ہوئی چلی جاتی ہے ——
—— حوا، آدم اور اقلیمیا کے ساتھ واپس آتی ہے)

حوّا

مرا عزیز! مرا نورِ چشم، لختِ جگر!

آدم

یہ کس کا فعل ہے قابیل، صاف صاف کہو

اقلیمیا

کہو کہ اس سے تمہارا کوئی علاقہ نہیں!

آدم

یہ جان لو کہ خموشی ہے اعترافِ گناہ

اقلیمیا

کہو کہو کہ ہوّا اب تو خانہ دل کا تباہ

حوّا

یہ خامشی ہے مقرر گناہ کا اقرار
یہی شقی مرے لختِ جگر کا قاتل ہے
اسی درندہ صفت، کینہ توز وحشی نے
گلاب کو سرِ گلبن سے نوچ ڈالا ہے
یہ دہریہ، یہ غرور و عناد کا پتلا
جو صبح و شام خدا کے خلاف بکتا تھا
اسی خبیث نے یہ داغِ دل گداز دیا!
اسی نے دی مجھے تکلیف سینہ چاکی کی
بتا! ترا مرے مسکین نے کیا بگاڑا تھا
کہ تو نے اتنی شقاوت سے اس کو مارا ہے
مری سبیدہ کا راحت کدہ اجاڑا ہے
یہ بد دعا ہے مری تم بھی نامراد رہو
ہمیشہ ہمسفرِ گرد خاک و باد رہو
ہمیشہ اپنے ہی اعمالِ ناسزا کے طفیل

اسیرِ سلسلۂ فتنہ و فساد رہو
نزول کرتا رہے تم پہ آسماں سے عذاب
کبھی زمیں کے مساموں سے آہ بن کے اُٹھے
کبھی ہوا، کبھی ابرِ سیاہ بن کے اُڑے
جو تیرے صُلب سے پیدا ہوں لڑتے کٹتے رہیں
ہمیشہ چاند کی مانند بڑھتے گھٹتے رہیں
بگڑتے بنتے رہیں پھیلتے سمٹتے رہیں
ہمیشہ تیرِ حوادث کا وہ نشانہ بنیں
سیاہ کاریوں سے عبرتِ زمانہ بنیں
وہ نورِ دیدۂ طاغوت، با خدا نہ بنیں
کبھی نہ اُن کو میسّر ہو آرزو کا فراغ
کبھی نہ اُن کو ودیعت ہو آشتی کا دماغ
ہمیشہ اُن کے گھروں میں جلیں لہو کے چراغ
جہاں جئیں وہ نحوست کو ساتھ لے کے چلیں
حسد کو، غم کو، کدورت کو ساتھ لے کے چلیں

اقلیمیا

اُٹھائے ہاتھ فرشتوں نے التجا کے لیے
زیادہ حدِّ ادب چُپ رہو خدا کے لیے

کلیجہ اب تو نصیبوں جلی کا پھٹنے لگا
کلام تلخ سے دل پارہ پارہ کٹنے لگا

(حوّا چلی جاتی ہے)

مری ہی کوکھ سے یہ خیرہ سر جنم لیں گے
مری ہی گود میں یہ جان ہار کھیلیں گے
مرے خدا مجھے اندوہِ جاوداں سے بچا
مرے شکستہ سفینے کو تو کنارے لگا!

آدم

مری نگاہ سے اب تم ہمیشہ دور رہو
کہ تم پہ رحم کے دروازے بند ہوتے ہیں
جہاں میں ایسے بھی نا رحمند ہوتے ہیں
عدو فراغ کے شورش پسند ہوتے ہیں
مری نگاہ سے اب تم ہمیشہ دور رہو
جگر فگار د الم ناک د نا صبور رہو

تغیرت البلاد و من علیہا
فوجہ الارض مغبر قبیح
تغیر کل ذی طعم و لون
وقل بشاشۃ الوجہ الملیح

فوا أسفى على هابيل ابنى

قتيلاً قد تضمنه الضريح

وجا ورنا عدو ليس يفنى

لعين لا يموت فنستريح

أهابيل ان قتلت فان قلبى

عليك اليوم مكتئب قريح

ارى طول الحياة على غما

وما انا فى حياتى مستريح

ابليس

تنح عن الجنان وساكنيها

ففى الفردوس ضاق بك الفسيح

وكنت بها وزوجك فى رخاء

وقلبك من أذى الدنيا مريح

فما برحت مكايدتى ومكرى

الى ان فاتك الثمن الربيح

ولولا رحمة الرحمن أمسى

بكفك من جنان الخلد ريح

ھاتف

أبا ھابیل قد قتلا جمیعا
وصار الحیّ کالمیت الذبیح
وجاء بشرة قد کان منھا
علی خوفٍ فجاء بھا یصیح
بنی الدنیا بنی لمح السراب
لدوا للموت وابنوا للخراب
فکلکم یصیر الی الذھاب

(آدم اور یہودا چلے جاتے ہیں)

قابیل

یہ میرے دل کی قساوت نے کیا ستم ڈھایا
یہ کس کی منطق واژوں نے مجھ کو بہکایا
یہ کس نے دل میں شرارت کا شعلہ بھڑکایا؟

اقلیمیا

تو ٹھیک کہتے ہیں تجھیں کا ہے شیطان ہے

قابیل

بپا ہے نالہ و فریاد مر گیا ہابیل !
جوانیوں ہی میں ناشاد مر گیا ہابیل !
مرے سکون کو برباد کر گیا ہابیل !
غمِ اسیر کو آزاد کر گیا ہابیل !
اب اس خسارے کو میں کس طرح کروں پورا
کہ امتدادِ زمانہ سے تیز ہو گا نشہ
فسادِ عقل ہے بد مستیٔ دلِ رسوا
چڑھے گی اور ابھی روزگار کی آندھی
بڑھے گی اور ابھی شدّتِ غمِ ہستی
کوئی علاج بھی ہے تلخیٔ ندامت کا
غمِ گزشتہ کا ، پس ماندگاں کی حسرت کا ؟

اقلیمیا

خدائے پاک سے ہے میری عاجزانہ دعا
جوارِ عرش میں دے اس شہیدِ حق کو جگہ
ریاضِ خلدِ بریں میں کرے اُسے داخل
رہے نہ اس کو جہاں فکرِ ناقص و کامل

سکونِ تام ہو حاصل!

قابیل

مگر یہ سوختہ دل؟

فنکناز

فلک ناز ——— خضر
ققنس ——— ہاتف
سیمرغ ——— ہما

ہد ہد

پہلا منظر

فلکناز

(تنہا دارالمطالعہ میں)

طبعِ وقّاد کی جودت تو مسلّم لیکن
اپنے افکار کو اک نقطے پہ مرکوز کرو
تاکہ پیدا ہو نظر میں تب و تابِ جوہر
قطرۂ آب بنے سوزِ دروں سے گوھر
زندگی جہدِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں
توشۂ رہ سفری کا طلب و سعی و یقیں
راہ عظمت کی ہے سنسان، کٹھن، پتھریلی!
خانۂ دل میں ہے مہمان امیدوں کا ہجوم
شوق و ترغیب کے سامان ہیں تا حدِ نگاہ
یہ تماشا گہِ عالم ہے کہ مینا بازار

گلشنِ دھر کو آئینۂ حیرت کہیئے
شہرِ خوبانِ خیالی ہیں کدھر کو جاؤں
مرگِ مبرم متعاقب ہے جدھر کو جاؤں
بزمِ ایجاد میں ہر رنگ سے بہلاتا ہوں
نہیں ہوتی مگر اس ذوقِ نظر کی تسکیں
خود فریبی کے سوا کچھ نہیں لافِ تمکیں
ایک بازیچۂ اطفال ہیں طب و قانون
منطق اک مشغلہ۔ شائستۂ اربابِ جنون
مذہب و فلسفہ۔ مجموعۂ اوہام و ظنون
ادب و شعر و سیاست بھی ہیں طرفہ معجون
ذہن افروز ہیں گرچہ یہ گرانمایہ فنون
ان کی فرسودہ و پامال گزر گہ لیکن
تنگ ہے رخشِ صبا تاز و فلک پیما کو
جسے درکار ہے پہنائے بسیطِ امکاں!
مری آنکھوں کو لبھاتا ہے مقرنس ایواں
یہ مناظر یہ مرایا نہ نہفتہ نہ عیاں
ان میں سطوت بھی ہے ثروت بھی سرفرازی بھی
شوخی و شنگی و رعنائی و طنازی بھی
اسمِ اعظم ہیں ہیں پوشیدہ نعیمِ دوراں

کس قدر خاص ہیں الطافِ عمیمِ دوراں!

(ملازم کو آواز دیتا ہے)

ہدہد!

ھدھد

ارشاد، جناب!

فلکناز

جا کے سیمرغ و ھما کو تو بلا لاؤ ذرا

ھدھد

بسر و چشم، حضورِ والا

(چلا جاتا ہے)

ان کی باتوں سے گرہ ذہن کی کھل جائے گی

دُور ہو جائے گی آشفتہ خیالی میری

(خیر و شر داخل ہوتے ہیں)

خیر

یہ ترا بادۂ سرجوش ہے خالی زِنشاط

جرعۂ زہرِ ہلاہل ہے مئے ناب نہیں
آگہی جہلِ مرکّب ہے خرد نادانی
یہ نگیں گنبدِ مینا کے یہ ماہ و پرویں
ہیں فقط بابِ جہنّم کی کلیدِ زرّیں
ربِ قدّوس کی درگاہ میں خم ہونے سے
کبریائی کے سرا پردوں کے در کھلتے ہیں
سازو سرمایۂ دُنیا ہے متاعِ فانی
جس کا انجام جز اندوہ و فنا کچھ بھی نہیں
لذّتِ سوز فقط عشقِ حقیقی میں ہے

سِشر

حرفِ علم سے کہیں بڑھ کے ہیں اسرارِ نجوم
ان کی تسخیر عبادت ہے جہانگیری سے!
صیدِ جبریل ہے خورشید کی نخچیری سے!
(چلے جاتے ہیں)

فلکناز

اے قدح نوش مئے سحر میں کیا نشّہ ہے!
ہوں گے جنّات و شیاطین مرے بے دام غلام

اہلِ تحقیق و تفکر مجھے مانیں گے امام
ہر سرافراز مرے سامنے دوتا ہو گا
روزِ آدینہ مرے نام کا خطبہ ہو گا
ذرّے ذرّے کو بنا دوں گا سمیر و کیلاش
مجھے جھک جھک کے نمسکار کرے گا آکاش

(سیمرغ و ہما داخل ہوتے ہیں)

مرے احبابِ مکرّم! مرے اِخوانِ صفا!
میں بھی ہوں سحر کی تاثیر سے اب شعلہ بجاں
ورطۂ شوق میں احساس ہے غلطاں پیچاں
کس طرح دل کے سفینے کا لگے گا بیڑا؟

سیمرغ

تجربہ، علم، فراست، تکنیک
ہم کو بخشیں گے شعور و عرفاں
شہرت و ناموری اپنے قدم چومیں گی
اور ہم راج کریں گے سب پر

ہما

غول و جنات سمندر کو بیاباں کر دیں

کوہ و صحرا کو گلستاں و خیاباں کر دیں
عزل اپنے ہیں تو مشہود و نہاں اپنا ہے
فلک اپنا ہے جہانِ گزراں اپنا ہے!

فلکناز

میری رگ رگ میں تپاں ہیں شعلے
دوستو! مجھ کو بھی جادو کا چلن سکھلا دو!

سیمرغ و ہما

تجھ کو سمجھاتے ہیں بنیادی رموز و اسرار
تری محنت تجھے کر دے گی دنوں میں پرکار
سامری نام کے جپ کو نہ بھلانا زنہار
ہے وہی رہبر کامل، وہی سچی سرکار
وہی سرچشمہ ہے ست جت کا وہی نور و نار!

دُوسرا منظر

فلکناز

(جنگل میں)

ہر طرف پہرہ ہے خاموشی و تاریکی کا
بزمِ انجم بھی غنودہ ہے فسونِ شب سے
یہ سماں سحر طرازی کے لیے موزوں ہے
سحر و شام شیاطیں کی عبادت کی ہے
جو گیا بھیس سے تپ دن میں ریاضت کی ہے
اے فلکناز! پس و پیش سے کیا حاصل ہے
رستخیزِ شبِ ظلمات کا افسوں پھونکو!

آؤ آؤ اُمرہا اُمرہی اھلاً اھلاً
کھلاّ کھلاّ کی کھیجا کرتا کرتا
سونا ہنسا یا بلب یا بلب یا بلب

(ققنس نمودار ہوتا ہے۔ سیدہ جردہ کریہ المنظر)

فلکناز

اے ہیولے تری صورت ہے کراہت انگیز
دور ہو سامنے سے اور کسی روپ میں آ
کچھ تو انداز و شباہت میں طرحداری ہو
آن ہو شان ہو جاسوسی و عیاری ہو

(ققنس چلا جاتا ہے)

مرے الفاظ کی تاثیر میں اب کیا شبہا
کچے دھاگے سے کھنچے آئیں گے سرکش سردار
کانپیں گے بید کی مانند سلاطینِ کبار
تڑپیں گے ماہیٔ بے آب کی صورت دلدار
ساغرِ جم ہے طلسمات کا قفلِ ابجد
سامری نے مجھے بخشا ہے فروغِ سرمد
قوتِ سحر سے ہیں مالکِ بحر و بر ہول
اہلِ بینش کی رجا، مرجعِ کور و کر ہوں

(ققنس۔ دلبر زیبا و جوان رعنا بنا داخل ہوتا ہے)

ققنس

بندہ آداب بجا لاتا ہے، حضرت ارشاد!

فلکناز

تم ہمیشہ مرے اجلاس میں موجود رہو

ققنس

میں تو ہوں حضرتِ ابلیس کا ناچیز غلام
ان کے فرمانِ جلالت کا مطیع و منقاد!

فلکناز

بے اجازت مگر اب کیسے چلے آئے ہو
اسمِ اعظم کی مہابت نہیں لائی تم کو؟

ققنس

یہ بھی سچ ہے پہ حقیقت یہ ہے
جب کوئی قصۂ پارینہ سے بددل ہو کر
بنے خواہان و خریدارِ سرودِ تازہ
تو ہم از خود ہی چلے آتے ہیں
اس کے جذباتِ جواں کو اپنے
سحر کے بوقلموں دام میں لانے کے لیے

فلکناز

میں تو پہلے ہی شیاطین کا ہوں باجگزار
خالقِ ارض و سماوات سے باغی ہو کر
کرتا ہوں سطوتِ ابلیس کا دل سے اقرار
میں توہّم کے حصاروں سے نکل آیا ہوں
روشنی ڈالو کچھ ابلیس کی جبجا ہی پر

ققنس

صفتِ شعلۂ جوّالہ، جسور و سرکش

فلکناز

کبھی ابلیس فرشتہ بھی تو تھا

ققنس

حاشر و ناشرِ اسرارِ حریم باری
حاطب اللیل بنا، فالقِ اُصباح جو تھا!

فلکناز

اس نے دوزخ کو مگر کس طرح آباد کیا؟

ققنس

حضرتِ خالقِ باری سے بغاوت کر کے
پیکرِ خاک کی تعظیم سے منکر ہو کر
کر لیا سلب تکبّر نے مقامِ محمود
جو مقرّب تھا ہُوا چشم زدن میں مردُود!

فلکناز

اور تم کیا ہو ؟

ققنس

وہ جنّات کہ جو
اس کی تقلید میں آمادۂ پیکار ہوئے
رات دن جلتے ہیں اب آگ میں اسکے ہمراہ

فلکناز

کس جگہ جلتے ہو تم ؟

ققنس

دوزخ میں

فلکناز

کیسے ملتی ہے رہائیٔ کرۂ دوزخ سے ؟

ققنس

کبھی زندانیٔ دوزخ بھی رہا ہوتے ہیں
ہم تو ہر وقت ہی رہتے ہیں جہنم بکنار
ہم جو فردوس میں گلگشت کیا کرتے تھے
دُودھ اور شہد کی نہروں کے کنارے بیٹھے
خرمہ و انبہ و انگور سے دل بہلاتے
لگۂ ابر دھواں دھار، ہوا متوالی
ساقیٔ نجم نگہ، مطربِ مرغولہ نوا
یہ فیوض و حسنات و برکاتِ عرشی
ایک ہی لغزشِ مستانہ میں ہم کھو بیٹھے
بس نہیں کیا یہ ندامت کے کچوکے اب بھی
زحمتِ مہرِ درخشاں کی ضرورت ہے کوئی؟
کام بیتے نہیں دوزخ سے نظربندی کا
استعارہ ہے فقط قہرِ خداوندی کا

فلکناز

کس لیے گردشِ ایام پہ خوں روتے ہو
مزرعِ دل میں جو بوؤ گے وہی کاٹو گے
اب اس افسانۂ پارینہ میں کیا رکھا ہے
صفِ جنگاہ میں گلگشتِ مصلّےٰ کی طلب
شعلہ زادوں کے لیے آرزوئے نگیں ہے
جاؤ ابلیسِ معظّم سے کہو
کہ فلکناز کی خودداری و آزادہ روی
آیۂ انفس و آفاق سے انکاری ہے
کر کے الہام کے کابوس کو نذرِ آتش
تیرے آگے سرِ تسلیم وہ خم کرتا ہے
پورے چالیس برس مجھ کو جواں رہنے دے
شوخ و شہنازِ منشاں شیوہ پری زادوں کے
لب و رخسار و خد و خال کا رس پینے دے
تشنۂ حسن و جوانی سے دہکتے چہرے
بارِ پستاں سے شجر ہائے ثمر دار بنے
سخت پتھر کی طرح نرم بسان ریشم
پنڈلیاں جیسے ستون عاج و دُر و مرمر سے

سونڈ ہاتھی کی خجل جن سے وہ چکنی رانیں
دامنی بن کے لپکتی وہ مدن بان آنکھیں
چُنریاں سر سے ڈھلکتی ہوئی جوبن سرکش
جنہیں مستی کی زباں کہتی ہے مقیاسِ شباب
چند دوشیزہ و ناسفتہ و دردانۂ ناب
مرضع و مطفل و چُلبلے مہ آوارہ چند
کامجو تشنہ و سیرابِ ہوس لذت یاب
چتونیں جن کی چھنال اور نگاہیں چنچل
نہ وفادار کسی کی نہ کسی کی پابند
کنواریاں تازہ رس و نیم کش و مشک ختام
مئے دیرینہ و ممزوج نکاہی بیاہی
کوڑیالے کبے کالوں کو گریباں کھولے
ساعد و سینہ و رُخسار سے لپکیں شعلے
جھُولے باغوں میں پڑے مست پپیہا بولے
ساونی گاتے ہوئے آئیں گھٹا کے لچے
قلزمِ شوق میں جذبات کی نیا ڈولے
جیسے دنبیق میں سرِ شام ردل گنڈلے
جن میں سج دھج سے نکلتے ہیں جیسان فرنگ
ونمس کن کہ ہو غیب اور رہوں ان کے سنگ

ایک اک کو میں بغل گیر کروں ننگا ننگ
رند رنگین ہوں گہ ، گہے مجذوب و ملنگ
شب تہوار کروں جاگرتی پھینکوں رنگ
گوپیاں مجھ سے گھاٹ پہ اشنان کریں
کبھی چھیڑوں میں انہیں بن کے کنہیا تو کبھی
امرؤ القیس کی مانند چرا لوں کپڑے
جن میں خوشبو ہو پسینے کی جوانی کی سگندھ
تازہ ہو پھر سے رہ و رسم غدیر جلجل[1]

[1] ألا رُبَّ يومٍ لكَ منهنّ صالحٍ
ولا سيّما يومٌ بدارةِ جُلجُلِ
ويومَ عقرتُ للعذارى مطيّتي
فيا عجباً من كورِها المتحمَّلِ
فظلّ العذارى يرتمين بلحمِها
وشحمٍ كهُدّابِ الدِّمَقسِ المُفتَّلِ
ويومَ دخلتُ الخِدرَ خِدرَ عُنيزةٍ
فقالتْ لكَ الويلاتُ إنّكَ مُرجِلي
تقولُ وقد مالَ الغبيطُ بنا معاً
عقرتَ بعيري يا امرأَ القيسِ فانزِلِ
فقلتُ لها سيري وأرخي زمامَهُ

وَلَا تُبْعِدِينِي مِنْ جَنَاكِ الْمُعَلَّلِ !

فَمِثْلِكِ حُبْلَى قَدْ طَرَقْتُ وَمُرْضِعٍ

فَأَلْهَيْتُهَا عَنْ ذِي تَمَائِمَ مُحْوِلِ

إِذَا مَا بَكَى مِنْ خَلْفِهَا انْصَرَفَتْ لَهُ

بِشِقٍّ وَتَحْتِي شِقُّهَا لَمْ يُحَوَّلِ ،

ذكر رواة العرب أن امرأ القيس بن حُجر بن عمرو الكندي كان يعشق عُنيزة ابنة عمه شرحبيل، وكان لا يحظى بلقائها ووصالها ، فانتظر ظعن الحي ، وتخلف عن الرجال ، حتى إذا ظعنت النساء ، سبقهن إلى الغدير المسمى « دارة جُلجُل » ، واستخفى ثمة ، إذ علم ، أنهن إذا وردن هذا الماء اغتسلن، فلما وردت العذارى اللواتي كن مع عنيزة فيهن، وخلعن ثيابهن ، وشرعن في الماء ، ظهر امرؤ القيس وجمع ثيابهن ، وجلس عليها ، وأقسم ألا يدفع إليهن ثيابهن إلا بعد أن يخرجن إليه عوارى فخشينه زمنا طويلا من النهار، فأبى إلا بر قسمه فخرجت إليه أولاهن ، فرمى ثيابها إليها ، ثم تتابعن ، حتى بقيت عنيزة ، وأقسمت عليه ، فقال : يا ابنة الكرام ، لا بد لك من أن تفعلي مثل ما فعلن ، فخرجت إليه ، فرآها مقبلة ومدبرة ، فلما لبست ثيابها ، أخذن في عذله ، وقلن : قد جوعتنا

وأخبرتنا عن الحي، فقال لهن: لو عقرت راحلتي أكنّ آتِ كلن؟ فقلن: نعم؛ فعقر راحلته، ونحرها، وجمعت الإماء الحطب، وجعلن يشتوين اللحم إلى أن شبعن. وكانت معه ركوة فيها خمر، فسقاهن منها؛ فلما ارتحلن، تقسمن أمتعته؛ فبقي هو، فقال لعنيزة: يا ابنة الكرام لابد لك من أن تصحبيني، والححت عليها صواحبها أن تحمله على مقدم هودجها، فحملته، فجعل يدخل رأسه في الهودج، ويقبلها ويشمها ———

لاج سے سمٹے غزالوں کا سراپا دیکھوں
حُسنِ بے پردہ کی عُریانی بھی ہے سَتر و حجاب
یعنی اِک برہنہ شمشیر ہے عورت کا شباب
میرے دل کا کوئی ارمان ادھورا نہ رہے
مجھ کو بخشے وہ اجازت مری دمسازی کی
جاؤ اور رات کی تنہائی میں
مجھ کو پھر میرے کُتب خانے میں
شاہِ ظلمات کے فرمان سے آگاہ کرو!

ققنس

آپ کا حکم سر آنکھوں پہ جناب!
(غائب ہو جاتا ہے)

فلکناز

کھُل گیا عقدۂ تسخیرِ حصارِ فطرت
ایک بے دام کنیزک ہے نگارِ فطرت
مجھ سے اب اذنِ نمو لے گی بہارِ فطرت!

تیسرا منظر

فلکناز

(دارالمطالعہ میں)

ہاویہ زاویہ ہے اور مقرّ قہرِ سقر
حشر کے روز سوا نیزے پہ سورج ہو گا
جو فرشتوں نے لکھے ہیں وہ کھلیں گے شقّے
کام آئے گی شفاعت، نہ چلیں گے رقعے
ہر طرف کھلبلی، آوازۂ نفسی نفسی
بھیڑ یں ہی نہ پیمبر بھی گنہگاروں کی!
میں بھی دیوانہ ہوں کوئی کہ اسیرِ شک ہوں
بے وقوفی ہے غمِ دوزخ و خیالِ فردا
بیش از وہم نہیں حور و بہشت و طوبیٰ!
اور آفاق کی یہ کارگہِ شیشہ گری
اک منقش متلون متحرک پردہ

باغِ شدّاد کی تخلیق پہ جو قادر ہو
اسے دریوزۂ فردوس کی حاجت کیا ہے؟
(خیر و شر داخل ہوتے ہیں)

خیر

ترکِ رسم و رہِ عیّاری

فلکناز

توبہ، تہلیل، تمنّا کیا ہیں؟

خیر

نزدِ باں حق کے سراپردے کے
رَوح و ریحان و نعیمِ جنّت

شر

حسرت و وہم و گماں، موجِ سراب
سرگراں زاہدِ مرتاض کا خواب

خیر

کچھ تو کر خوفِ مکافاتِ عمل

شر

شبوہ مردول کا نہیں قطعِ امل

(چلے جاتے ہیں)

فلکناز

اب مجھے یورشِ اوہام سے کیا اندیشہ!
اتنا مضبوط ہے ابلیس کی صولت کا حصار
ہر طرح امن و آسودہ ہوں!
آ بھی جا میرے جوانِ رعنا
منتظر مژدۂ شیریں کا ہے گوشِ شنوا

(ققنس داخل ہوتا ہے)

کیا کہا خواجۂ اہرمن نے؟

ققنس

مرے مجذوب کی خدمت کردتیں حیات
رُوح اس کی بدل اس خدمت روز و شب کا

فلکناز

وہ تو پہلے ہی اسے سونپ چکا

ققنس

لیکن آقا نے باصرار یہ فرمایا ہے
کہ فلکناز سے محضر لے لو
لکھے اس عہد کو وہ خون کی رنگینی سے
تا کہ پھر کر نہ سکے جیتے جی
اپنے پیمان کو وہ زینتِ طاقِ نسیاں
منحرف ہو نہ سکے وعدے کا پابند رہے!

فلکناز

کیا کرے گا وہ مری روحِ زبوں مایہ سے

ققنس

اپنی اقلیم کی توسیعِ حدود

فلکناز

سونپتا ہوں میں اسے روحِ رواں

ققنس

اپنے بازو کے لہو سے لکھو
تا کہ چمکے یہ شہادت بن کر

فلکناز

(اپنے بازو کو زخمی کرکے، رستے ہوئے خون سے لکھتا ہے)

اپنے پیمانِ محبت کی صداقت کے لیے
نوکِ نشتر کو چبھوتا ہوں رگِ بازو میں
رُوح کو رُوح کے ارمانوں کو
نذر کرتا ہوں حضورِ ابلیس
تمام یہ محضرِ پیمانِ وفا
اس کی سُرخی میں مری رُوح سمٹ آئی ہے
لیکن اک شرط ہے میری کہ سدا
تو مری بات کو مانے گا بلا چوں و چرا!
نہ کبھی حجت و حیلہ ہو نہ اہمال و ابا!

ققنس

سطوتِ حضرتِ ابلیس و جہنم کی قسم

تیرے ہر حرفِ تمنا کو بطیبِ خاطر
بے پس و پیش بجا لاؤں گا!

فلکناز

لوگ کہتے ہیں جہنم جس کو
کس جگہ ہے یہ ذرا بتلاؤ

ققنس

ان عناصر کے رگ و ریشہ میں
جن میں شیطان ہیں پابند و اسیر
ایک آتش کدہ جو ظرف کا محتاج نہیں
صورتِ سایہ لیے پھرتے ہیں سب دوزخ کو
ذہن کا کرب، جگر کا آشوب
بیگماں! سوزِ جہنم ہی تو ہے!
آنکھ اٹھتی ہے جدھر، آگ نظر آتی ہے
میرے سینے میں اگن کنڈ، جوالا مکھ ہے

فلکناز

صرف نیرنگیٔ افسانہ ہے

ققنس

مجھے دیکھو مری آنکھوں کے عمق میں جھانکو
مرے آلام مری بے کلی افسانہ نہیں ؟
ایک دن تم بھی فسانوں کا مزہ چکھ لوگے

(ایک کتاب دیتے ہوئے)

س صحیفے میں ستاروں کے ہیں اسرار و رموز
ان لکیروں میں مقید ہیں قناطیر و کنوز
ان خط و قوس میں طوفان و نہیب و تندر
س کے پڑھنے سے نمودار مسلح لشکر
جو اُٹھے قہر کی صورت گرے بجلی بن کر
یہ مناشیر دل آویز ہے جن کا مسطر
جو کرو ان کی تلاوت تو کریں شب کو سحر
بذر سیما شفقیں لالہ رُخوں کے جھومر
دمن و مبلق و رودابہ و شیریں و شکر
سجے منی ، بھاگ بھری ، ماروی ، سسی ، عشترا

چوتھا منظر

(رات، صحنِ چمن)

فلکناز

ہے ستاروں کا فسوں خانہ بہ اندازِ سکوں
چاندنی رات میں نظارۂ مینائے کبود
دل میں اک محشرِ احساس بپا کرتا ہے

ققنس

تُو سمجھتا ہے کہ سیمینۂ کبودی جلوے
پیکرِ خاک کے انوار سے روشن تر ہیں
میں یہ کہتا ہوں علیٰ وجہ بصیرت، انساں
بصفت افلاکِ زبرجد سے کہیں ارفع ہے

فلکناز

کیسے؟

ققنس

اس باب میں واضح ہے حدیثِ لولاک
جملہ مخلوق ہے انسان کے زیرِ فرماں

فلکناز

مری سطوت کے ثنا گو ہیں اگر کون و مکاں
تو میں تکوین کی غایات سے بے بہرہ ہوں
کہ طلسمات کے پس کوچوں میں آوارہ ہوں
کب تک آوارگی و راہ نوردی اے دل.

(خیر و شر داخل ہوتے ہیں)

خیر

توبہ سے جنتِ فردوس کو حاصل کر لے

شر

تری تقدیر میں رُسوائی و محرُومی ہے

خیر

آہ نکلے تہِ دل سے تو رسا ہوتی ہے

اپنے افعال پہ نادم ہو خلوصِ دل سے
تاکہ دربارِ کریمی میں تجھے بار ملے
(چلے جاتے ہیں)

فلکناز

مری سرگشتہ نصیبی ہے مرا طوقِ گلو
مُنہ سے الفاظ ندامت کے نکلتے ہی نہیں
منفعل ہونے کی پر مجھ کو ضرورت کیا ہے
مینا بازار لگا ہے دلِ صورت گر میں
لذت اندوز ہوا دہر کی ہر نعمت سے
گُل بے خار چُنے گیت سنے خواب بنے
کہیں انجان حسیناؤں سے مصروفِ کلام
رجہ اندر کے اکھاڑے میں کہیں محوِ خرام
جھنڈ پریوں کے کریں چھیڑ کے ہنس ہنس کے سلام

راجہ جی کرد موسے بتیاں لے
دل تڑپت دن رتیاں رے
بھیرا جرت ہے تمرے درس بن
دھڑکت ہے موری چھتیاں رے
جھوم جھوم آیو بادر و گگن گھن جھوم جھوم

بادِ بہاری ہے گل کی سواری ہے کوئل پکاری ہے ہوکے مگن

کاری کاری گھٹا گگن میں چھائے رہی ہیں دم پر دم

بجلی چمکے بادل گرجے برسے میگھا چھم چھم

جھوم جھوم آیو بادر دا گگن گھن جھوم جھوم

پھولی پھلواری ہے جوبن متواری ہے پھولوں کی کیاری ہے دیتی پھبن

گرجے دامن لرجے کامن برسے ساون تھم تھم تھم

سگر نگر ہیں اور گھر گھر ہیں گائیں ترانے در سرگم

جھوم جھوم آیو بادر دا گگن گھن جھوم جھوم

دف بجاتے بہ کفِ دستِ حنا آلودہ

شاہدانِ عجم و قاہرہ و پیرس و شام

نجد و غرناطہ و بالی کے بتانِ گلفام

چھلیں یاقوت سے ہونٹوں پہ نواہائے غرام

عزری یا حمام

لبصیب الجبام

للذی قلبہ

بین تلک لخیام

نحن بنات طارق

نمشی علی نمارق

ان تقبلوا نعانق

اذ تدبروا تفارق!

فراقِ غیرِ واسق!

پردۂ قاف تھیں شبہائے دمشق و بغداد
ہر طرف عارضِ روشن کے شبستاں آباد
کہیں نوشابہ و طیبس کہیں دُنیا زاد
قرۃ العین کے نغمات سے رکنا باد

اگر باد وشم زلفِ عنبر آسا را
اسیرِ خویش کنم آہوانِ صحرا را
دگر بہ نرگسِ شہلائے خویش سرمہ کشم
بروز تیرہ نشانم تمام دُنیا را
برائے دیدنِ رویم سپہر ہر دم صبح
بروں بہ آورد آئینۂ مطلا را
گذار من بکلیسا اگر فتد روزے
بدینِ خویش برم دخترانِ ترسا را

یہ فسوں ساز نے افسونِ محبت پھونکا
کہیں داد ہواری تو کہیں ہیبت کا
جون آف آرک کا کہیں روپمتی کا چرچا
ہی نم آشوب کہیں مارگرٹ کی جلوہ
چترلیکھا سی کہیں ہوش ربا رقاصہ

روپمتی و چندر بدن و روشنک و قیدافہ
کہیں گل چہر و پری دخت و رباب و عذرا!
ساحلِ بحر پہ اک میلہ سا جل پریوں کا
جن پہ ہوتا ہے غزالہائے رواں کا دھوکا!
ہونٹ پنہاریوں کے شاخِ نبات، آبِ حیات
کریں ٹیاروں کے قدِ سرو و صنوبر کو بھی مات
نازنینانِ پری چہرہ و شیریں حرکات
جسم سرشار، طرحدار، سجل، کومل گات
بدنِ سُرخ پہ باریک بسنتی پوشاک
تہہِ داماں تُنک شمع فروزاں جیسے
جٹّیاں روہی کی کملا دتی نازک نازو
جو بیک غمزہ عشاق کو تسخیر کریں
شوخ لجونت جواں کامنیاں گوکل کی
گاگریں سر پہ چھلکتی ہوئی جمنا جل کی
شامِ کشمیر فدا ہو وہ بہار آنچل کی
سحرِ بنگال ہوا ہو وہ گھٹا کاجل کی
کیفوں جمخانوں دبستانوں میں ہنگامہ بپا
کوئی بیگم کوئی بانو کوئی سینوریٹ
کاہنہ مصر کی بابل کی کوئی رقاصہ

اہلِ صورت کو سجھاتی ہوئی اسلوب و ادا
نو بنو تازہ بتازہ سخن آرائی کے
پیکرِ تخئیل کو جن سے پر پرواز ملے
ان نگاہوں نے قیامت کے مناظر دیکھے
گھر بنائیں جو دلوں میں وہ مسافر دیکھے
ان جبینوں سے تو دل کش نہیں حورانِ خیام
پھر مجھے اُن کی کشش کس لیے تڑپاتی ہے؟
ہے مری کون سی خواہش جو نہ بر آئی ہو
پھر مجھے کس لیے اندیشۂ رسوائی ہو
میں جیوں گا گل و گلزار سے کھل کھیلوں گا
پھول چنتے ہوئے کانٹوں کے ستم جھیلوں گا
میں ہوں سلطان زمیں دشت و دمن میرے ہیں
بادِ رفتارِ غزالانِ ختن میرے ہیں
کس نے تخلیق کیا ارض و سما کو اے دوست؟

ققنس

یہ نہ پوچھو

فلکناز

مرے ہمدم بولو!

ققنس

خلق و خالق میں نہیں مجھ کو سخن کا یارا

فلکناز

اپنے وعدے سے پھرے جاتے ہو؟

ققنس

کر دیا خود کو جب ابلیس کے ہاتھوں میں فروخت
کر چلے ترکِ وطن چھوڑ چلے باغِ عدن
اب مناسب ہے کہ دوزخ کی حقیقت کھوجو

فلکناز

میں بتاتا ہوں کرشمہ ہے یہ حرفِ کُن کا

ققنس

یاد رکھو کہ ہو مستوجبِ تعزیر و سزا۔

(برافروختہ ہو کر چلا جاتا ہے)

خیبر

وہ تو خود بندۂ مومن سے اماں مانگتے ہیں

(چلے جاتے ہیں)

فلکناز

رحم اے غافر و توّاب و کریم!
کہ تعقب میں ہے شیطانِ رجیم
ہیں گنہگار تو رحمان و رحیم!

(ققنس داخل ہوتا ہے)

ققنس

آہ و نالہ کی رسائی معلوم
بزدل انسانوں کا دل بہلاوا

فلکناز

تم ہو ہولی کے کھلینے چاتر
میں ہوں ڈرپوک اناڑی یکسر
اپنے پیمان کی شکستی پہ ندامت ہے مجھے

فلکناز

تری حرفت نے بنایا افسوس
بھولپن سے مجھے نخچیرِ فریب و سالوس
فیلسوفی سے ہوا ذہن معطّل، لیکن!
تیرے دوزخ سے نہیں مجھ کو کوئی خوف و ہراس
دست و بازو میں ابھی تاب و تواں باقی ہے
اب بھی حلقۂ افسوں سے نکل سکتا ہوں
اپنی تقدیر کو چاہوں تو بدل سکتا ہوں
ڈگمگانے پہ بھی اک بار سنبھل سکتا ہوں

(خیر و شر داخل ہوتے ہیں)

شر

نہیں ممکن نہیں

خیر

سب ممکن ہے

شر

ہوا مرتد تو شیاطین تجھے کھا جائیں گے

مجھے اصلاحِ خیالات کا اک موقع دو
مدت العمر نہ بھولوں گا یہ احسانِ عظیم
اب کبھی میری زباں ذکرِ خداوندی سے
بے خیالی میں بھی آلودہ نہ ہو گی۔ زنہار!

ہاتف

یا تو طوفان کی مانند چڑھا آتا تھا
یا ہوا حالِ برگشتہ کی صورت پسپا!

پانچواں منظر

(کنارِ دریا)

خضر

اے کہ تو پنجۂ ابلیس کا نخچیر زبوں
آ تجھے مقصدِ تخلیق سے آگاہ کروں
زندگی ذکر و عبادت کے سوا کچھ بھی نہیں
فسق و الحاد ہیں علّت کے سوا کچھ بھی نہیں
ڈھونڈھ پھر تزکیۂ نفس کی خاطر خلوت
جلوۂ عام تو حسرت کے سوا کچھ بھی نہیں
شرط اوّل قدم عشق ہے ترکِ خواہش
طمعِ خام خسارت کے سوا کچھ بھی نہیں
فقرِ فخری کی صدا، نغمۂ داؤدی ہے
حُبِّ دنیا غم و محنت کے سوا کچھ بھی نہیں
وسوسے کے خس و خاشاک سے دل صاف کرے

اے زیاں کار لرزتے ہوئے دل سے جھک جا
ربِ معبود کی درگاہ میں مانندِ نصوح
کیوں سمجھتا ہے تو قدرت کو بخیل و ممسک
داستاں تیرے معاصی کی ہے گو لرزہ خیز
رحمتِ مبداء فیاض سے مایوس نہ ہو

فلکناز

مجھ کو بد بختیٔ ایام کہاں لے آئی؟
ہائے اس گردشِ افلاک کی چیرہ دستی؟
برق و خرمن، خس و آتش کا فسانہ سارا
طوق گردن میں پڑا شوق گلو گیر ہوا
آرزو اک زنِ محتالہ و مکارہ ہے
جان اک سدِ رمق میں نے بچا رکھی ہے
کیوں نہ اس ربطِ احساس کو کر دوں خاموش

خضر

چشمۂ صاف میں لوثِ خس و خاشاک نہیں
نکہتِ گل کی طرح شوقِ سفر پیدا کر
نہ ہو سرچشمۂ فیضان سے نومید نہ ہو

غافر و رحیم و توّاب ہے ربِ عادل

فلکناز

گفتگو آپ کی ہے باعثِ آرام و قرار

خضر

ایک اندیشۂ مبہم سا ہے لیکن مجھ کو
تجربہ یاس تری رُوح کو لے ڈوبے گا!

فلکناز

اپنے اعمال پہ نادم ہے فلکناز مگر
کھو گئی یاس کی ظلمت میں شعاعِ خورشید
یہ جہاں تختہ ہے شطرنج کا ہم مہرے ہیں
بے کسی، بے دلی، بے چارگی، اپنے خانے
رُوح اب موت کے چنگل سے چھٹے گی کیونکر؟
ڈوب کر پھر کوئی اُبھرا نہیں مجھو ساگر سے
زندگی کیا ہے یہی بوجھِ نوی، یوم صدود!

(خواجہ خضر غائب ہو جاتے ہیں۔ ققنس
کمرہیں سے نمودار ہوتا ہے)

ققنس

تری بد عہدی پہ شاہد ترا خونیں محضر
نوچ ڈالوں گا ترے جسم کی بوٹی بوٹی
کر لہو سے ابھی پیمانِ وفا کی تجدید

فلکناز

بے خودی اس کا سبب ہے مجھے معتوب نہ کر
اکثر اوقات میں ایسے ہی بہک جاتا ہوں
اپنے اس عہد کو پھر خون سے دہراتا ہوں

ققنس

کامل اخلاص و صمیمِ دل سے
سطوتِ سحر کا اقرار کرو
(فلکناز بازو زخمی کر کے دوبارہ لکھتا ہے)

فلکناز

ہے عقوبت کا سزاوار وہ شاطر خنّاس
ڈالتا ہے مرے سینے میں جو باطل وسواس

قفس

کس کے ایمان کی باطل شکن آگاہی سے
جاوداں لرزہ براندام جنودِ ابلیس
اہلِ حق سے ہمیں ڈر لگتا ہے
موجِ خوشبو بھی کہیں ہوتی ہے پابندِ قفس
کوئی تنویر کو مٹھی میں پکڑ سکتا ہے؟

فلکناز

مرا چھوٹا سا اک ارمان تو پورا کر دو
مری آغوش ہے محرومِ نگاراں کب سے
کب سے سونگھی نہیں گلنار لبوں کی خوشبو
ہوس انگیز تمنا ہیں شبینہ جادو
مرے ناموس مری آہوں کے سیہ خانے کو
جلوۂ حسنِ پدمنی سے منور کر دو
بادۂ گلبدنی سے متلذذ ہو کر
تنِ مشکیں کے خمارینہ فسوں میں کھو کر
پھر کبھی جبۂ بزدل میں نہیں آؤں گا:

ققنس

کوئی دشوار ہے اپنے لیے تسخیرِ جمال
ایک پل میں پری شیشے میں اُتر آئے گی

(پدمنی پردہ سیمیں پر نمودار ہوتی ہے)

فلکناز

کیا یہی ہے وہ جگر در چراغ چتوڑ
آن کی آگ میں جو صورتِ پروانہ جلا
عکسِ طلعت سے دلِ بادشہِ ہندستاں
برق و سیماب کا ہمراز بنایا جس نے؟
خندہ زن آتشِ خنداں پہ ہوا حسنِ غیور
غیرتِ عشق و سوزِ دف زندہ باد!
پدمنی کی نگہ، یاسمنِ سنگدیب
جل سے لبریز ہے بادل کہ بدن مستی سے
کوئی دیکھے تو ہے بنان چھپے تو نکتار
دیکھ کر تجھ کو بنا میں بھی علاول خلجی
اے گلِ سرسبدِ باغِ جہاں پدماوت!
حسنِ ستیوں کی شب تاب قبا میں ملبوس

بلبلِ شام بھی محجوب ہے تیرے آگے
کیسے یہ نور چھپا پردۂ خاکستر میں ؟

ھاتف

رُوسیہ درگہِ اُمّید کوئی دُور نہ تھی
ربِ قدوس کو اک بار پکارا ہوتا !

چھٹا منظر

(رات کا وقت)

آہ نیرنگیٔ ایام کا افسوں ٹوٹا
ہاتھ سے دامنِ زرتارِ تمنّا چھوٹا
اور جمعیتِ اُمید و بہیر و بنگاہ
جیسے برباد چمن جیسے لُٹے بنجارا!
جنّتِ ساحرِ الموط کہ تھی مصنوعی
حیف صد حیف اسے خلد کا پرتو جانا!
نوش میں نیش تھا برقع میں عجوزہ و عفریت
جس کو سمجھے تھے مہنّا تھا پیالہ سم کا
کوئی دل سوز نہیں سب نے مجھے چھوڑ دیا
کوئی اندازہ ہے اس شخص کی بدبختی کا
جس کی دنیا میں فقط ایک خودی باقی ہو
اور پھر منزل و ہادی ہو مفقود دیئے
نہ ہو زاد ہو خالی سفر و ساماں ناپید

کاش رُک جائے کسی طور نظامِ شمسی
اور ہو وقت کا بہتا ہُوا دھارا ساکن
زلفِ شب تا کہ کمر تک نہ پہنچنے پائے
خیمۂ خواب سے اے قرصِ جہاں تاب نکل
نکل اور لمحۂ حزاں کو فروزاں کر دے
تیرگی مجھ کو ڈراتی ہے چھلاوا بن کر
ہر طرف رینگتے پھنکارتے آسیبوں کو
اپنی کرنوں کے تغلّب سے ہراساں کر دے
مورچہ بند گھٹا دُپ سپاہِ زنگی
تیر باراں سے سراسیمہ ہو گھونگھٹ کھائے
ہے اسی طرح رواں کاہکشاں کا بجرا
وقت بہتا ہی چلا جاتا ہے
مرے معبود مری رُوح کے سچّے مالک
اپنے الطافِ فراواں سے بچا لے مجھ کو
خود ہی اُکھڑ جاؤں عناں گیر ہے لیکن کوئی
میں تو اُڑ جاؤں کوئی نیچے گراتا ہے مجھے
وادیو! اپنے کناروں میں چھپا لو مجھ کو!
ندیو! چادرِ نیلاب اُڑھا دو مجھ کو!
کوہسارو! ــــــــــ شق ہو!

میری قسمت کے نگہبان تارو!
صفتِ دُودِ پریشاں مجھ کو
اپنے نور میں کر لو تحلیل!

(گھڑیال ساڑھے گیارہ بجاتا ہے)

رہ گئے زیست کے بس تیس دقیقے باقی
یا الٰہی تو ہے سبحان و رحیم و غفّار
عقل کو طعنۂ نایافت ہیں تیرے اسرار
ترے محبوب کا میں بھی تو ثنا خواں تھا کبھی
یاد آیا کہ یہ بندہ مسلماں تھا کبھی
میرے عصیاں کی سزا ختم بھی ہو گی آخر؟
میرے مقسوم میں فردوس کا مژدہ ہو گا؟
نارِ سوزاں کی عقوبت سے خلاصی ہو گی؟
کبھی زندیق بھی دوزخ سے رہا ہوتے ہیں
بس قدر فارغ و مسرور ہیں مرغ و ماہی
برتر از جرم و سزا، سُود و زیاں سے آزاد
ان کی ارواح عناصر ہی کی پروردہ ہیں
وہ ہو جاتی ہیں مرنے پہ عناصر ہی میں حل
میں بھی اے کاش جہانِ غم میں
وہی جگنو کوئی بلبل کوئی آہو ہوتا!

دیو و شیطان پہ تفُ جن و پری پر لعنت
میرے افکار کی شوریدہ سری پر لعنت
شوقِ بے ہودہ کی اس فتنہ گری پر لعنت
جس نے فردوسِ بریں سے مجھے محروم کیا!
اے سیہ کار ترا وقتِ رحیل آ پہنچا
درکِ اسفل ہے خبیثوں کا مقام و مادی
اے رواں قطرۂ باراں بن کر
قعرِ دریا میں کہیں گم ہو جا
تیرہ آغوشِ صدف میں سو جا

(ذریاتِ ابلیس کا داخلہ)

روکو، اس سیل بلا کو روکو!
ٹھہرو، ٹھہرو! مجھے دم لینے دو!
رحم، رحم! اے تپشِ نارِ سعیر!
اُف، مری رُوح کی برنائی کو
مرے ایام کی رعنائی کو
لیے جاتے ہیں جہنّم کے سفیر
ان کے چنگال مہیب و خونخوار
اُنی نیزے کی، اُپنی تیغ کی دھار!
(چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ دھاکا اسے بالوں سے گھسیٹتا ہوا تحت الثریٰ میں غائب ہو جاتا ہے)

آشوب نیپال

آشور بنی پال	اشور و نینوا کا بادشاہ
سلیمے	ملکہ
عذرا	بادشاہ کی منظورِ نظر کنیز
بختیارک	سپہ سالار ملکہ کا بھائی
ازبک	میدیا کا مرزبان
بیلاسین	بابلیہ کا پجاری
اولیا	
قنبر	وابستگانِ دربار
حارث	
نقیب	
حاجب	
آبدار	
عسکری	
منصب دار	

وقت ۶۲۶ ق م

مقام نینوا کا شاہی محل

نینوہ کی بابت بارِ نبوت۔ اِلقوشی ناحوم کی رویا کی کتاب:

ب ۱۔ خداوند غیور اور انتقام لینے والا خدا ہے۔ ہاں خداوند انتقام لینے والا اور قہار ہے۔ خداوند اپنے مخالفوں سے انتقام لیتا ہے اور اپنے دشمنوں کے لیے قہر کو قائم رکھتا ہے۔ خداوند قہر کرنے میں دھیما اور قدرت میں بزرگ ہے۔ وہ مجرم کو ہرگز بری نہ کرے گا۔ خداوند کی راہ گردباد اور آندھی میں ہے اور بادل اس کے پاؤں کی گرد ہیں۔ وہی سمندر کو ڈانٹتا اور سکھا دیتا ہے اور سب ندیوں کو خشک کر ڈالتا ہے۔ بسن اور کرمل مرجھا جاتے ہیں۔ اور لبنان کی کونپلیں مرجھا جاتی ہیں۔ اس کے خوف سے پہاڑ کانپتے اور ٹیلے پگھل جاتے ہیں۔ اس کے حضور زمین ہاں دنیا اور اس کی سب معموری تھرتھراتی ہے۔ کس کو اس کے قہر کی تاب ہے؟ اس کے قہر شدید کو کون برداشت کر سکتا ہے؟ اس کا قہر آگ کی مانند نازل ہوتا ہے۔ وہ چٹانوں کو توڑ ڈالتا ہے۔ خداوند بھلا ہے۔ وہ مصیبت کے دن پناہ گاہ ہے۔ وہ اپنے توکل کرنے والوں کو جانتا ہے۔ لیکن اب وہ اس کے مکان کو بڑے سیلاب سے نیست و نابود کرے گا۔ وہ تاریکی اس کے دشمنوں کو کھدیڑے گی۔ تم خداوند کے خلاف کیا منصوبہ باندھتے ہو؟ وہ

وہ بالکل نابود کر ڈالے گا۔ عذاب دوبارہ نہ آئے گا۔ گرچہ وہ الجھے ہوئے
کانٹوں کی مانند پیچیدہ اور اپنی مے سے تر ہوں۔ تو بھی وہ سوکھے بھوسے کی طرح
بالکل جلا دیئے جائیں گے۔ تجھ سے ایک ایسا شخص نکلا ہے جو خداوند کے خلاف
برے منصوبے باندھتا اور شرارت کی صلاح دیتا ہے۔

خداوند یوں فرماتا ہے۔ کہ اگرچہ وہ زبردست اور بہت سے ہوں
تو بھی وہ کاٹے جائیں گے اور وہ برباد ہو جائے گا۔ اگرچہ میں نے تجھے
دکھ دیا تو بھی پھر کبھی تجھے دکھ نہ دوں گا۔ اور اب میں اس کا جوا تجھ پر
سے توڑ ڈالوں گا۔ اور تیرے بندھنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ لیکن
خداوند نے تیری بابت یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ تیری نسل باقی نہ رہے
میں تیرے بت خانے سے کھودی ہوئی اور ڈھالی ہوئی مورتوں کو نیست
کر دوں گا۔ میں تیرے لیے قبر تیار کروں گا۔ کیونکہ تو نکما ہے۔ دیکھ جو خوشخبری
لاتا اور سلامتی کی منادی کرتا ہے اس کے پاؤں پہاڑوں پر ہیں۔ اے
یہوداہ اپنی عیدیں منا اور اپنی نذریں ادا کر۔ کیونکہ پھر خبیث تیرے
درمیان سے نہیں گزرے گا۔ وہ صاف کاٹ ڈالا گیا ہے۔

باب ۲۔ پراگندہ کرنے والا تجھ پر چڑھ آیا ہے۔ قلعہ کو محفوظ رکھ
راہ کی نگہبانی کر۔ کمربستہ ہو اور خوب مضبوط رہ۔ کیونکہ خداوند یعقوب کی
رونق کو اسرائیل کی رونق کی مانند پھر بحال کرے گا۔ اگرچہ غارت گروں نے
ان کو غارت کیا ہے۔ اور ان کی تاک کی شاخیں توڑ ڈالی ہیں۔ اس کے
بہادروں کی سپریں سرخ ہیں۔ جنگی مرد قرمزی وردی پہنے ہیں۔ ان کی تیاری

کے وقت رتھ فولاد سے جھلکتے ہیں۔ اور دیودار کے نیزے بشدت ہلتے
ہیں۔ رتھ سڑکوں پر تندی سے دوڑتے اور میدان میں بے تحاشا جاتے ہیں
وہ مشعلوں کی مانند چمکتے اور بجلی کی طرح کوندتے ہیں۔ وہ اپنے سرداروں کو
بلاتا ہے۔ وہ ٹھوکریں کھاتے آتے ہیں۔ وہ جلدی جلدی فصیل پر چڑھتے ہیں۔
اور اوٹ تیار کیا جاتا ہے۔ نہروں کے پھاٹک کھل جاتے ہیں۔ اور قصر گداز
ہو جاتا ہے۔ حصّب بے پردہ ہوئی اور اسیری میں چلی گئی۔ اس کی لونڈیاں
قمریوں کی مانند کراہتی ہوئی ماتم کرتی اور چھاتی پیٹتی ہیں۔

نینوہ تو قدیم سے حوض کی مانند ہے تو بھی وہ بھاگے چلے جاتے
ہیں۔ وہ پکارتے ہیں کہ ٹھہرو! ٹھہرو! پر کوئی مڑ کر نہیں دیکھتا۔ چاندی لوٹو،
سونا لوٹو! کیونکہ مال کی کچھ انتہا نہیں۔ سب نفیس چیزیں کثرت سے ہیں وہ
خالی و سنسان اور ویران ہے۔ ان کے دل پگھل گئے اور گھٹنے ٹکرانے لگے
ہر ایک کی کمر میں شدت سے درد ہے اور ان سب کے چہرے زرد ہو گئے
شیروں کی ماند اور جوان ببروں کی کھانے کی جگہ کہاں ہے جس میں شیر ببر
اور شیرنی اور اس کے بچے بے خوف پھرتے تھے؟ شیر ببر اپنے بچوں کی خوراک
کے لئے پھاڑتا تھا اور اپنی شیرنیوں کے لئے گلا گھونٹتا تھا۔ اور اپنی ماندوں
کو شکار سے اور غاروں کو پھاڑے ہوؤں سے بھر دیتا تھا۔ رب الافواج فرماتا
ہے دیکھ میں تیرا مخالف ہوں اور اس کے رتھوں کو جلا کر دھواں بنا دوں گا
اور تلوار تیرے جوان ببروں کو کھا جائے گی اور میں تیرا شکار زمین پر سے
مٹا ڈالوں گا اور تیرے ایلچیوں کی آواز پھر سنائی نہ دے گی۔

ب ۳۔ خونریز شہر پر افسوس! وہ جھوٹ اور لوٹ سے بالکل بھرا ہے۔ وہ لوٹ مار سے باز نہیں آتا۔ سنو! چابک کی آواز اور پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ اور گھوڑوں کا کودنا اور رتھوں کے ہچکولے!

دیکھو! سواروں کا حملہ اور تلواروں کی چمک اور بھالوں کی جھلک اور مقتولوں کے ڈھیر اور لاشوں کے تودے۔ لاشوں کی انتہا نہیں۔ لاشوں سے ٹھوکریں کھاتے ہیں یہ اس خوب صورت جادوگرنی فاحشہ کی بدکاری کی کثرت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ وہ قوموں کو اپنی بدکاری سے اور گھرانوں کو اپنی جادوگری سے بیچتی ہے۔

رب الافواج فرماتا ہے۔ دیکھ میں تیرا مخالف ہوں۔ اور تیرے سامنے سے تیرا دامن الٹ دوں گا۔ اور قوموں کو تیری برہنگی اور مملکتوں کو تیرا ستر دکھا دوں گا اور نجاست تجھ پر ڈالوں گا۔ اور تجھے رسوا کر دوں گا۔ ہاں تجھے انگشت نما بنا دوں گا۔ اور جو کوئی تجھ پر نگاہ کرے گا۔ تجھ سے بھاگے گا اور کہے گا کہ نینوہ ویران ہوا۔ اس پر کون ترس کھائے گا؟ میں تیرے لیے تسلی دینے والے کہاں سے لاؤں؟ کیا تو نو امون سے بہتر ہے جو نہروں کے درمیان بسا تھا۔ اور پانی اس کی چاروں طرف تھا۔ جس کی شہرپناہ دریائے نیل تھا جس کی فصیل پانی تھا؟ کوش اور مصر اس کی بے نہایت توانائی تھے۔ فوط اور لوبیم اس کے حمایتی تھے تو بھی وہ جلاوطن اور اسیر ہوا۔ اس کے بچے سب کوچوں میں پٹک دیئے گئے اور ان کے شرفا پر قرعہ ڈالا گیا اور اس کے سب بزرگ زنجیروں سے جکڑے گئے۔ تو بھی مست ہو کر اپنے

آپ کو چھپائے گا۔ اور دشمن کے سامنے سے پناہ ڈھونڈے گا۔ تیرے
سب قلعے انجیر کے درخت کی مانند ہیں۔ جس پر پہلے پکے پھل لگے ہوں۔ جن کو
اگر کوئی ہلائے تو وہ کھانے والے کے منہ میں گر پڑیں۔ دیکھ تیرے اندر تیرے
مرد عورتیں بن گئے۔ تیری مملکت کے پھاٹک تیرے دشمنوں کے سامنے کھلے
ہیں۔ آگ تیرے اڑبنگوں کو کھا گئی۔ تو اپنے محاصرے کے وقت کے لیے پانی
بھر لے اور اپنے قلعوں کو مضبوط کر۔ گڑھے میں آ کر مٹی تیار کر۔ اور اینٹ
کا سانچہ ہاتھ میں لے۔ وہاں آگ تجھے کھا جائے گی۔ تلوار تجھے کاٹ ڈالے گی
وہ ٹڈی کی طرح تجھے چٹ کر جائے گی۔ اگرچہ تو اپنے آپ کو چٹ کر جانے
والی ٹڈیوں کی مانند فراواں کرے اور فوج ملخ کی مانند بے شمار ہو جائے
تو نے اپنے سوداگروں کو آسمان کے ستاروں سے زیادہ فراواں کیا۔ چٹ
کر جانے والی ٹڈی خراب کر کے اڑ جاتی ہے۔ تیرے مرصّع اور تیرے سردار
ٹڈیوں کا ہجوم ہیں جو سردی کے وقت باڑوں میں رہتی ہیں۔ اور جب
آفتاب نکلتا ہے تو اڑ جاتی ہیں۔ اور ان کا مکان کوئی نہیں جانتا۔ اے شاہ
اسور تیرے چرواہے سو گئے۔ تیرے سردار لیٹ گئے۔ تیری رعایا پہاڑوں پر
پراگندہ ہو گئی۔ اور اس کو فراہم کرنے والا کوئی نہیں۔ تیری شکستگی لا علاج ہے
تیرا زخم کاری ہے۔ تیری خبر سن کر سب تالیاں بجائیں گے۔ کیونکہ کون ہے جس
پر ہمیشہ تیری شرارت کا بار نہ تھا؟

پہلا پردہ

بختیارک

(اکیلا)

یہ مقولہ ہے مئے و حسن کے متوالے کا
کشتیٔ کارِ جہاں غرقِ مئے ناب اوسے
زات کی بھول بھلیاں ہیں بھٹکنے وال
جامِ زہراب کو سمجھا ہے سلاف و صہبا
سانپ پر ریشمی ڈوری کا گماں ہے کیا کیا!
دیں نہ خوشبو کبھی چھوئے سے بھی دست کے پھول
شہر ویران ہوئے باغ بغیچے برباد
گاؤں در گاؤں غم و درد کی دھول اڑتی ہے
پھر بھی دعوے ہے سے انجمن آرائی کا
نبضِ دوست کا وہ تعلق نہیں رفتار شناس
دکھ سے وقت اظہار کوئی آثار نہیں

کچھ ابھی عظمتِ رفتہ کا اثر باقی ہے
اور کچھ خوف و تذبذب کی فسوں کاری ہے
کہ بہائم کی طرح رہنے پہ مجبور ہیں لوگ
دبدبہ سطوتِ شاہی کا مسلّم لیکن
کبھی قانونِ مکافاتِ عمل بدلا ہے ؟
کیا یہ میراثِ نیاگاں یونہی مٹ جائے گی؟
شمع بجھ جائے گی نمرود و سمیرآمس کی ؟
رہا اسلاف کی پلکوں میں بسیرا جس کا
بس حسیں خواب کی تعبیر پریشاں ہو گی؟
دولتِ عزّ و شرف ، جنسِ وقار و تمکیں
اس طرح ابتر و آشفتہ و ارزاں ہو گی؟
جس کے آثار کو اجداد نے خوں سے سینچا
کیا وہ مرصوص بنا ، خستہ و ویراں ہو گی؟
پانچ سو سالہ تمدّن کی امیں یہ اقلیم
جس کی مملوکہ ہے بابل۔ ملکہ شہروں کی
نوعِ انساں کی وہ دُنیا میں نخست آبادی
آستانہ جو خداوند کا ہے بابِ ایل
اک ستمگر کی بہیمانہ سیہ کاری سے
نکہتِ گُل کی طرح ہم سے گریزاں ہو گی؟

کہیں خورشید جہانتاب بھی گُل ہوتا ہے ؟
دیدۂ انجمِ شب گیر لہو روتا ہے !

(موسیقی کی صدا)

یہ دف و دائرہ و چنگ و رباب و مرچنگ
سرخیوشانِ خوش آواز کی تنگوں و تِنگ
خواب آلودہ و آرام طلب موسیقی!
رنگ و آہنگ کے اس نسخۂ افیونی نے
اسے آئینِ جہانبانی سے بیگانہ کیا !
خوب غفلت سے جگاتا ہے شہِ دوراں کو
مطلعِ شام پہ آثارِ سحر پیدا ہیں
اے سیہ مست یہ دورِ شبِ دوشیں کب تک؟
شغلِ رخسار و کنار و لبِ نوشیں کب تک؟
صبحِ صادق نے بجایا گجر . آنکھیں کھولو!

(آشور کی جھلک نظر آتی ہے)

غمزہ زن شاہدۂ حسن کو ہمراہ لیے
جمعِ زہرہ و ناہید کو شرمندہ کیے
جھومتے جھامتے وہ شاہ زماں آتے ہیں
واسکی راجہ منی دیپ کا صاحب پرتاب
ناگ کنیاؤں کے جھرمٹ میں خراماں جیسے !

بادشہ۔ زن ہے نظیرہ یہ ستمگر اس کا
ہیں بتِ غالیہ مو اس کے شریکِ غالب
سیپیوں کو دُرہ شہوار سمجھ بیٹھا ہے
کب تلک کو تہی اے دستِ جنوں کر جھوٹ
پردۂ شرمِ رُخِ شاہدِ معنی سے اُلٹ!
آج سب ریب و ریا حرفِ تمنا کہہ دول!

(آشور نسوانی تکلفات سے داخل ہوتا ہے۔ سر پہ پھولوں کا
تاج۔ لباس ایک شان بے نیازی سے بے ترتیب۔ غلمان و
جواری جلو میں)

آشور

(مجمع حضار سے)

خیمے استاد کرو آج لبِ نہرِ فرات
عجب انعام ہے قدرت کا تب و تابِ حیات
زندگانی ہے کہ نغما و ابادی کی برات!
جاؤ خدام ادب سے کہو دن ڈھلتے ہی
راہیں آراستہ ہوں آئنہ بندی سے تمام
آگ جنگل میں لگے بھڑکے چراغ لالہ
ابر سقا بنے، فراش بنے بادِ بہار

بچھے تا حدِ نگہ، مخملِ سرخ و سنجاب
نصب ہو بارگہِ زر بفتی
دور ہو فرش مکلّف سے سفینہ پرتاب
حسنِ تزئیں سے کچھ ایسا سماں پیدا ہو
بادولت کی طبیعت کو سرور آجائے
سازِ شاہانہ و سامانِ ملوکانہ ہو
گوشت کے پارچے سیخوں پہ چڑھیں سانجھ سے
جشنِ مہتابی ہے موجود ہوں اربابِ نشاط
روکش قاف کریں دشت کو رقاصت رجھال
روشنی ارذشی کی جیسے سرِ استاچل
جھانجھیں جست کریں، جھانجھ مجیرے جھنکیں
آتشِ حسن میں کندن کی طرح تپ تپ کے
نازنینانِ پری زاد پڑھیں، جن گن من!
دمِ گفتار جھڑیں پھول لبانِ تر سے
بدنِ سرخ نمایاں ہوں قبائے زر سے
جسم رنگین چمن، چاک گریباں سے عیاں
نارونِ قد و سمن خد، خطبی زرینہ
برِ سیمیں میں ہے دولت بیدار شب
جیسے لذت کا کہیں مہر لبِ گنجینہ۔

گلُ کی مانند جدھر جائیں مہکتی جائیں
چال ہرنی کی ، مئے سُرخ سے لال انکھڑیاں
نشۂ حُسن میں سرشار بہکتی جائیں
رنگِ عشّاق اُڑے دیکھ کے ، وہ چھب تختی
دامِ ہم رنگِ زمیں میں پھنسے گل آگہش بھی
ہمیں مقصود ہے دلدارئ فن آج کی رات
جاؤ آرائشِ زلف و لب و رخسار کرو
بن سنور پھول پہن عطر لگا کر آؤ
قصرِ شاہی کی جواں سال کنیزوں کا جمال
رات کو چاند ستاروں کے مقابل ہو گا

(عذرا سے ، جو سکھیوں کے ساتھ جانے کا

قصد کرتی ہے)

گلِ شاداب کو تو حاجتِ مشاطہ نہیں
کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ بریں؟
بول !

عذرا

اعلیحضرت !

آشور

اے شکر لب یہ خنک لہجہ خلافِ عادت!
کیا اٹھا سکتے ہیں اخلاص کے نازک شانے
رسمی آداب کا یہ بارِ گراں، چپ کیوں ہو؟
اس خموشی میں کوئی کلفتِ مضمر تو نہیں؟
کوئی آزردگیٔ خاطرِ عاطر تو نہیں؟

عذرا

آپ ہیں شاہجہاں میں فقط اک باندی ہوں
خواب و خواہش کی طلسماتی ردا میں لپٹی
رات دن آپ کی یادوں میں بسی رہتی ہوں
کیا کروں سوزشِ پنہاں کا بیاں!
جیسے سورج کا کنول، سیمیں کا کمد دیوانہ
شمع کے گرد پھرے پروانہ
گو نہیں مجھ میں جدائی کی سرِ مو بھی سہار
اس سمے پر جلے جانا ہی مرا بہتر ہے

بختیارگ

(آگے بڑھتے ہوئے)

ٹھیک کہتی ہے کنیز

اسے رخصت کی رضا دے دیجیے!

آشور

کون ؟

بختیارگ

اک سوختہ دل فریادی!

آشور

(مصاحبوں سے)

تخلیہ! دو گھڑی آرام کرو

نیمۂ شب کو لبِ آبِ رواں

جشنِ رامشگری برپا ہو گا

(دربار برخاست ہو جاتا ہے۔ بخت‌نزاد اسے جو جا رہی ہے)

یہیں موجود رہو!

ہم سمجھتے ہیں یہ دزدیدہ نگاہی کی ادا

عذرا

خشمگیں میرِ عساکر ہے مگر عالیجاہ!

بختیارگ

یہ جسارت کہ اب اشراف کے منہ آتی ہے!

آشور

بعل کی مجھ کو قسم، کرنہ اسے سب وشتم!
میری محبوب تری آنکھ میں آنسو کیسے؟

بختیارگ

اس دغل باز حسینہ کی دراندازی سے
خانوادے لٹے برباد ہوئے کاشانے!
لوگ کہتے ہیں اسے سبز قدم، بھاگ بھری!

آشور

منصب و مرتبہ کو بھول رہے ہو سالار!
بادولت کی جلالت کو نہ بیدار کرو

بختیارک

دیکھ کرموں کی امٹ ہے!

عذرا

شہِ والا اورنگ

مجھے جانے کی اجازت دیجیے!

آشور

ہاں چلی جاؤ مگر یاد رہے
کہ جدائی کے یہ ظالم لمحے
شوق پر شاق نہ ہونے پائیں
مونسِ روز و انیسِ شبِ دیجور ہے تو
ہفت اقلیم تصدق تجھ پر
تاجِ شاہی کی ترے سامنے وقعت کیا ہے؟

(عذرا چلی جاتی ہے)

بختیارک

سر سے دستار گری جاتی ہے

آشور

حدِ آداب سے سالار تجاوز نہ کرو

بختیارک

حدِ آداب! ابھی فکرِ زباں باقی ہے؟
ظلم آدب کی دیوار کو ڈھاتا ہوا ظلم
موت کے راگ نفیری پہ بجاتا ہوا ظلم
صرصرِ قہر سے ہر نخل ہے نخلِ ماتم
کون سنتا ہے ترے دور میں افسانۂ غم
حق و انصاف بھی چڑیا ہے کوئی عنقائی
مہر و شفقت کا چرچا ہے مگر رو بہ قفا
عزت اشراف و اہالی کی بھی محفوظ نہیں
تری سفاک ستم گار بہیمیت نے
کاخ و کاشانہ میں کہرام مچا رکھا ہے
اور اقطاع و ولایات کی پہنائی میں
فتنہ پردازیٔ عمالِ جفا پیشہ سے
سینوں میں محشرِ فریاد، دھواں آنکھوں میں
ہے خروشِ مشتعلہ دل. خونِ جگر آزردہ

چار سو گونجتی ہے ایک فغانِ پُر درد
قحط و سیلاب ہے ویرانی و بربادی ہے
زندگی آج ترے ظلم کی فریادی ہے!
مجھے معصوم سلیمے کا خیال آتا ہے
اس کے بچّوں کا جو ہیں تختِ شہی کے وارث
اپنے اسلاف کی ناموس و حمیّت کا خیال
اور آثارِ صنا دید کے مٹنے کا ملال!

آشور

اس خطابت سے ترا مقصد و منشا کیا ہے؟

بخت بارک

آپ کو ابّ مکرّم سے جو ترکے ہیں ملے
آج وہ لوگ بغاوت پہ کمر بستہ ہیں

آشور

ذرّے خورشید سے آمادۂ پیکار ہوئے
سایۂ دامنِ شاہی ہیں وہ آسودہ نہیں
امن کی دولتِ وافر کو جو ٹھکراتے ہیں؟

بختیارک

رنگ محلوں میں حقائق کا گزر کیا ہو گا
آ کے ٹکرائیں پہاڑوں سے سفینے تو انہیں
کبھی کچھ اور بھی ملتا ہے بجز ضرب و شکست؟
کس طرح آپ پہ مکشوف ہو احوالِ وطن؟

آشور

اہلکارانِ حکومت کا ہے سب بس میں قصور
ان کے افعال سے ہم تو بری الذمہ ہیں

بختیارک

آپ کو اپنے مشاغل سے فراغت بھی تو ہو
شاہی دربار کہاں خانۂ خمّار کہاں
شاہد و شہد و شب و شمع و شراب
ساقنیں جام بھریں ناچ کریں کنچنیاں
تن کے پردے میں دف بجیں پری چہرہ اچھلیں
گائنیں پازیب چھم چھم کریں ، چھیڑیں تان
مطرب و بادۂ گلفام و تماشا ہو تو . . .

راس دلچسپ گونجتی ہے موروثِ اعلیٰ کی صدا!
کہ اس آغاز کا انجام یہی پستی تھا
رات دن دشت نوردی کا یہی مقصد تھا
کہ مرے سنگِ لحد پر مرے فرزندِ سعید
عیش و عشرت کے شبستانوں کی تعمیر کریں؟
اپنے اجداد نے اس باغ کے سب گل بوٹے
اپنے جسموں کی غذا دے کے برومند کئے
اسی خاطر کہ ترے نفس کا تنور بھرے؟
اور اس کسب و تعیش کی بدولت آخر
صفحۂ دہر سے ناپید ہوں ان کے آثار؟
بیشہ شیروں کا جو تھا رمنہ غزالوں کا بنا!

آشور

کوئی حاضر ہے ؟

آبدار

حضورِ والا !

آشور

ساغرِ آبِ بقا، شربتِ اندوہ ربا!

(آبدار جامِ عقیق میں بادۂ رحیق پیش کرتا ہے)

بختیارگ

زلزلہ آتا ہے وہ جس سے مفر مشکل ہے
وقت ہے اب بھی حضور آپ سنبھل سکتے ہیں
اور مافات کی ممکن ہے تلافی پھر سے!

آشور

زلزلے کے مگر آثار و قرائن کیسے؟
مطلق الحکم شہنشاہ کے کرّ و فر سے
کس زباں کوش کو ہے جرأتِ رزم آرائی؟
صاحبِ تاج و نگیں، ظلِ خدا ہوتا ہے
کس کی ہمت ہے بغاوت کا علم لہرائے؟
کہیں در پردہ یہ انگیخت تمہاری تو نہیں
کہو تم کو کبھی ہم سے کوئی صدمہ پہنچا؟

بختیارک

اپنے صدمے کا یہاں تذکرہ مقصود نہیں

آشور

تب بہن کے غمِ موہوم پہ دل کڑھتا ہے؟
بادشاہی کے لوازم ۔ خدم و جاہ و حشم
کرۂ ارض کے اقسام عجائب تحفے
نعمتیں لذتیں کس شے کی کمی ہے اس کو؟
پھر بھی ناشاد رہے وہ تو یہ ناشکری ہے!

بختیارک

سرِ و سامانِ زخارف کی حقیقت معلوم!
مونسِ حال فقط بے کسی و تنہائی
شوخ و شطاح کنیزوں سے یہ مستی کے
قصے سُن سُن کے سلگتی ہے سنی سنوئی

ظاہرا سرد و خنک، آگ لگی ہے بھیتر
سوتیا ڈاہ بلا شبہ ہے خارِ بستر
سیج برہا کی دمِ شیر نر و افعی ہے

ملکہ زوجہ کا حق مانگتی ہے بھیک نہیں
وہ رہے معتکفِ کلبۂ احزاں ہو کر
آپ گلچھرّے اڑاتے، ہنڈو جنگل بیٹھے
پھر بھی اس کے لبِ اظہار پہ فریاد نہیں
وہ نوامیس کے اسرار خفی سے واقف
بخت پر شاکر و راضی بہ رضا رہتی ہے
اپنے یا اس کے مصائب کے بیاں کا لیکن
شاہِ والا یہ کوئی موقع و ہنگام نہیں
بیش و کم کی کوئی حسرت نہ غمِ ناز و نعیم
ہیں تو اس وقت یہ پیغام اٹھا لایا ہوں
کہ یہ دستورِ جہاں ہے کہ تغافل مشرب
بادشہ اپنا کفن آپ سیا کرتے ہیں
اس پہ اوراقِ تواریخِ ملل شاہد ہیں!

آشور

ہم نے درماندہ رعایا کو بہ تطیبِ خاطر
امن و آرام کی جاگیر فراواں بخشی
ان غلامانِ کج اندیش کو آخر اپنے
عافیت کوش شہنشاہ سے شکوہ کیا ہے؟

پھر سے بابل کے مناروں پہ کمندیں پھینکیں
اور اہرام کی تعمیر ہیں ان کو جوتیں
تو ہی ان داب و دد و دام کو آئیگا سکوں؟

بختیارک

یہ فتوحات بھی اربابِ جواں ہمت کو
پردۂ ساز و بطِ مے سے کہیں خوشتر ہیں
نسلِ نمرود تو ہنگاموں کی دلدادہ ہے
سلطنت اس نے انگوٹھی کے نگینے میں دھری

وسعتِ دہر کو جو ننگ ہمت جانا
صفِ بیجا ہیں کدایا گلگوں
خیمہ زن جا کے ہوئیں
رودِ گنگا کے کناروں پہ اشوری فوجیں

وہ جگر دار جیالی عورت
جس کا شبھ نام سمیرامس تھا
باختر پہنچی فقط بیس سپاہی لے کر
زیرِ فرماں تو کیا خطۂ تازہ کوئی!

آشور

کیا ملا اس کو مگر جنگ سے ذلت کے سوا؟

بختیارک

ہند میں گرچہ وہ ناکام رہی، پر اس نے
فارس و باختر و ماد کو تسخیر کیا
اور یوں عظمتِ آشور کے جھنڈے گاڑے!

آشور

عشرتِ نغمہ و افسونِ محبت کے بغیر
ایک زندانِ بلا ہے یہ جہانِ ایجاد
طرفہ اسرارِ لبِ یار کی نیرنگی سے
اک طلسمات مرقع ہے یہ معمورہ بھی!

بختیارک

اک شہنشاہ کو لیکن یہ عمل زیبا ہے
کہ رعایا کے لیے اس کا نمونہ ہے یہی؟

آشور

لغزش و توبہ کی تکرار ہے جس کی تقدیر
جو سمجھتا ہے کہ سب مرد و زن و برنا پیر
تیرِ پر تاب وساوس کے ہیں بے بس نخچیر

بختیارک

آپ کا نیرِ اقبال ہے مائل بہ زوال
قصرِ مزدک کا انجام قریب آ پہنچا!

آشور

یعنی ؟

بختیارک

یہ دشمنِ بدخواہ کے زمزمے ہیں ہے
مشعلِ ماہ کے گل ہونے سے پہلے شاید
آلِ مزدک کے اقبال کا روشن تارا
بنے ظلمت کی غذا مثلِ شہابِ ثاقب

آشور

سازش و مکر و دغا!

بختیارک

اب بھی حضورؐ
یہ نمک خوار، جو خادم ہو عنایت اس کو
آن کی آن میں سب مفسدہ پردازوں کو
فیضِ مزدور سے واصل بہ جہنم کر دے!

آشور

یہ منافق مگر اندازے ہیں کتنے ہوں گے؟

بختیارک

مصلحت وقت کی عجلت کی تقاضی ہے
کس کے احسان بجا ہیں کہ بہ امداد و شتاب
یہی اس فرصتِ نایاب کو برباد کرے؟

آشور

راج مندرا تو ہے الواہِ آنو کا آکار
کس طرح اس کو یونہی تیرے حوالے کر دوں؟
قتل و غارت کے سوا اور کوئی راہ نہیں
کون ہیں وہ انہیں تم زیر حراست لے لو
اتفاق اور ملنساری کا
آزماؤ تو فسوں!

بختیارک

طفلِ ناداں نہیں سن رسیدہ جہاں دیدہ ہوں
مجھ سے پوشیدہ نہیں راز جہاں بانی کے!

آشور

ہے بھروسہ مجھے بیناپتی تم پر پورا
یہ لو خاتم

بختیارک

مری اک اور بھی استدعا ہے

آشور

ہاں کہو!

بختیارک

آج کی شب شاہِ جہاں
جشنِ مہتابی کی تقریب کو منسوخ کریں

آشور

جشنِ مہتابی کی تقریب کو منسوخ کروں
اک شہنشاہ کی جبروت نگوں ہو جائے
ایسے طفلانہ تصور پہ ہنسی آتی ہے
اپنے جادوسے ہٹا مرکبِ تقدیر کبھی!
سحرِ لساں سے مٹی لوح کی تحریر کبھی؟
اجورہ کا سر سرکش کبھی جھک سکتا ہے؟
ہوئی موران فرومایہ کی یہ تاب و توں
کہ سلیمان کے دربار پہ یلغار کریں!
التوا جشنِ ہمایونی کا نا ممکن ہے
کوئی ترمیم کوئی ردو بدل نا ممکن

صبح تک پھرتی رہے گی بطِ مئے دست بدست!

بختیارک

تو خبردار و نگہبان و مسلح رہنا
ہو اگر عزم مصمم تو کوئی بات نہیں
بازگشت اس عمل و جذبۂ پارینہ کی
بول بالا ہوا شاہانِ سلف کا جس سے!

(چلا جاتا ہے)

آشور

(تنہا)

اس کی پیشانی پہ تدبیر کی تابانی ہے
پنجۂ دست میں توفیقِ سلیمانی ہے
وہ ذرا سخت طبیعت کا ہے مالک لیکن
سازش و ریشہ دوانی کے کچلنے کے لیے
دابِ تسلیم و توکل سے کہاں کام چلے؟
آج تک حل نہ ہوا مسئلۂ سود و زیاں
ہے ازل سے وہی اندازِ جہانِ گزراں
موت برحق ہے تو پھر موت سے ڈرنا کیسا

وقتِ موعودہ سے پہلے ہی یہ مرنا کیسا؟
میں تو کہتا ہوں کہ فردوسِ بریں ہے دُنیا
تندرستی ہو تو طنّاز و حسیں ہے دُنیا
مبدأ فیض نے توفیقِ طرب بخشی ہے
فکرِ فردا ہی میں کیوں ذہن گرفتار رہے
زار و آشفتہ و رنجیدہ و بیزار رہے
اپنے ہمزاد سے نت برسرِ پیکار رہے؟
زندہ دل کیوں نہ مئے و نغمہ سے سرشار رہے؟
ہم نے خوبانِ وفا خُو سے محبت کی ہے
سیرِ کنعانِ شباب و چہِ اُلفت کی ہے
رہِ حسن کی سرکار نشاں شیوہ سے
ملے چاہت کے مزے؛ ذہیں محبوبوں کی
پھول برسائے بہاروں نے، فلک نے تارے
ناز بردار بنے ناز و نزاکت والے
بے دماغی پہ بھی جی جان سے قربان ہوئے
جس طرح کند و شبوکا کی شگفتہ کلیاں
دلبرِ نیم شبِ تاریک میں چھپایا بیخود ہو کر
نو عروسانِ طرحدار سی اُجلی گھڑیں
تن نشاں پہ ہلکا سا لباس آئی

سر جھکائے گُلُ داؤ دی ، پچیں نگوری
جیسے مدھو ماس میں ہو ابر شفق آلودہ
دُوج کے چاند کی مانند نمودار ہوئیں
چال جھرنے کی طرح ، نیل کمل سی آنکھیں
تیر سی دل میں لگیں ، نقدِ جوانی مانگیں
شمع فانوس میں مستورہ ہو جیسے وہ بدن
گیہواں رنگ کہ قربان ہو جس پر چندن
گویا ساغرِ بلّور میں ہے رنگِ شہاب
پب اٹھا کر چلیں رس روپ بھری البیلی
اودیا کے کبھی چندرا کے کریں اٹھکیلی
باغ میں بیر بہوٹی بکھرے مدھ بن میں مولہ
لالما جن میں ہو دوشیتا کی وہ آنکھوں کے سروج
مخملیں انگ ، صدف رنگ بدن ، سینہ سنگ
گر زمیں دیکھ کے شرمندہ جنہیں کونج و کلنگ
چولیاں جن کی زرِ ناب کی مونگے کے پلنگ
موہنی رُوپ کی مردلتا میں
رس ، پراگ اور سدھا ادھر دل میں
انکھیں گشنہ صورہ گھٹا ، مست خماری آنکھیں
زُلف شب رنگ کو بنتِ شبِ دیجور کہیں

مرمریں جسم ، مجسو کا چہرہ
شاخِ شبّو پہ اُگا ہے لالہ !
کامنا دیبیاں رس بھاؤ سے گھٹ پٹ کھولیں
ہیں سونے کے کلس ، مدھ کے پیالے چھلکیں
کریں اٹھکیلیں ، چلیں ناز سے ہٹ چھٹکا کے
شجرِ عشق میں کونپل نکل آئے جیسے
گُلِ حمرا کا خزانہ نہ شبنم نہ چھپے
آمِ مرمر میں جڑے قدرتی کاری گر نے
کالبدان کے ہوئے صندل و گِل سے تخمیر
الغرض ہوتی رہی ذوقِ نظر کی تسکیں
رہیں سرو و گُل و لالہ سے مجالس رنگیں
لب کھولوں کس طرح اس بارگہِ مہرہ سے
دلِ شاداں نے کیا کسبِ فیوض و برکات!

(عذرا داخل ہوتی ہے)

خوب : اے آمدنت باعثِ آبادیِ ما :
پردۂ دل پہ ترا نقشِ بہاریں اُبھرا
ورنہ تو بادِ بہاری کی طرح پہنچی .
جذبِ پنہاں کا تصرف بھی عجب ہوتا ہے!

عذرا

شاہِ ذی جاہ!

آشور

ولی نعمت و گیتی آرا

آسماں تخت و اسد بخت و فلک بارگہا
کہکشاں سیر و پرن صید و ثریّا جاہا
پہ گرانبار و گراں سنگ و گراں قدر القاب
مسلکِ شید و ریا، شیوۂ سالوسی ہیں!
گفتگو کا کوئی انداز صمیمانہ نہیں
جس میں آمیزشِ آدابِ گرانبار نہ ہو؟
دوستی بارِ حجابات اٹھا سکتی ہے؟
جن نرو تازہ و گلنار و سبک ہونٹوں سے
ہم نے ناسفتہ جوانی کی حلاوت لوٹی
جن سے وارفتگیٔ شوق کے شیریں نغمے
لذت و درد سے وہ رمز و کنایات پڑھے

جن کی آغوش میں تقدیر نمو پاتی ہے
ہم کو یہ طرزِ تخاطب ہو گوارا کیسے ؟
جی میں آتا ہے کہ اسباب حشم ٹھکرا کر
درّہ و وادی و کہسار میں آوارہ پھریں
سرمدی حسن کے دل سوز ترانے چھیڑیں
ہم نوا خانہ بدوشوں کے حدی خوانوں کے
گلِ سُرخِ چمن و لالۂ صحرائی سے
گیسوئے شاہد ایام کو مہکاتے رہیں
در چھتنار چناروں کے خیابانوں میں
امن و آزادی و بیرگ کی لذتیں لوٹیں
لوگ سادہ ہیں، خدم و خیل کی بیخ سے چھوٹیں
مندرے کانوں میں پڑے، سر پہ رکھے جوں انڈے
کہ کنول کنڈ پہ اتریں، کبھی پربت پہ چڑھیں
مرگ چھالا رہِ خیمہ پہ بچھا کر بیٹھیں
ڈریں ہرنوں کی ببیں کریں، غٹ پیڑوں کے
بستر اطلس و دیبا ہو چمکتی بالو
آسماں چتر زری، بالش مخمل بازو
چاند قندیلِ ضیا پاش، پون پنکھا ہو!

عذرا

ہائے یہ ذکرِ وفا کیسا نشہ آور ہے
دل بھی کیا طرفہ طلسمات کا گنجینہ ہے!

آشور

ابھی سالار یہ منحوس خبر لایا تھا
بندگانِ درِ دولت کو ہے خطرہ لاحق

عذرا

آپ کی جان کو؟

آشور

ہاں، سازش سے
ہم بھی کیا خشک سا موضوعِ سخن لے بیٹھے
رات کے جشنِ طرب کے متعلق سوچیں

عذرا

یہ مگر جشن کے اذکار کا ہنگام نہیں

آشور

ہو گئیں خوف زدہ ؟

عذرا

جانِ جہاں!
دُوسرا نام محبّت کا ہے خوف و خفقاں

آشور

ہم مگر کش مکشِ سود و زیاں سے آزاد
یہ سمجھتے ہیں کہ ہے خانۂ خوشبو برباد!

عذرا

شوق ناپختہ ہے احساسِ طلب نارس ہے
میں نے چاہا ہے تجھے تیری پرستش کی ہے
ایک بے نام پُر اسرار کشش سے مجبور
تیرے ہر نقشِ کفِ پا پہ جبیں سائی کی
اور اکثر ہدفِ تیرِ ملامت بھی رہی
جس کی خاطر ہیں سب آسائشِ جاں بھول گئی

جس پہ رعنائی ایام نچھاور کر دی
وہ صنم خانۂ دل رہگذرِ سیل میں ہو
وقت کی مصلحتیں صبر کی تلقین کریں
اے غمِ عشق دہائی ہے دہائی تیری!

آشور

سیم سیما، مری پکھراج پری، زرّیں تاج!
ہے کوئی بات کہ بس طبعِ صفا مشرب کو
راس آتا ہی نہیں معرکۂ جنگ و جدال
کیا کوئی امرِ ضروری ہے ستیزہ کاری؟

عذرا

جاہ و تمکیں کیلئے اس کے سوا چارہ نہیں
تاجداری فقط آسائشِ نظارہ نہیں
نکہتِ کاکل و رنگینیٔ رخسارہ نہیں
حزم و حکمت پہ ہے موقوف چہ دنیا و چہ دیں
تختِ طاؤس کی آرائش و زینت ہی نہیں
تختۂ دار بھی بن جاتی ہے شاخِ نسریں!

آشور

نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم!
مبداءِ فیض سے اپنے لیے مقسوم ہوئی
چمن آرائی و رامش گری مہر و وفا
ناز فرمائی و دل جوئی اربابِ صفا
خود فراموشی و خوش کامی و تسلیم و رضا
بجرہ نیابہ ہے گلنار شتابی اُٹھو
تیرے دیدار کو لب تشنہ ہیں امواجِ فرات۔

(اولیا داخل ہوتا ہے)

اولیا

دیوتا شاہِ معظم کو سدا مست رکھیں!

آشور

ایسے اندازِ تخاطب سے ہمیں نفرت ہے
مختصر بات کرو، گاڈ نہ آلہا، بولو!

اولیا

کی ہے درخواست پہلوانِ سنے آداب کے بعد
کہ حضورؐ آج کی شب جشن میں شرکت نہ کریں!

آشور

مہرو مہ کو یہ سماں دیکھنا باقی ہے ابھی
مابدولت کے ارادے میں تزلزل آئے

عذرا

اپنے جانباز کی درخواست کو منظور کرو!

اولیا

ہاتفِ غیب کی آواز ہے عالی جاہا!

آشور

ہم مکرر تری درخواست کو رد کرتے ہیں

عذرا

تخت و دیہیم؟

آشور

تفِ نارِ جحیم!

گردشِ ریبِ منون

مژدۂ کربِ عظیم!

عذرا

اس گزارش کو حقارت سے نہ یوں ٹھکراؤ!

اقتضا وقت کا پہچانو، ہوا کو دیکھو!

آشور

اس سخن کو کرو موقوفِ طلوعِ خورشید

عذرا

اور اگر رات ہی صبحِ اجل ثابت ہو؟

آشور

موت کا وقت اٹل ہے جاناں!
اس پہ چلتا نہیں جنتر منتر
کام آتی نہیں دانتا کلکل
کیوں نہ پھر ہونی کا خود بڑھ کے کریں استقبال؟

عذرا

حفظِ ناموس وطن سے نہیں تسکینِ ہوس
ایک آسودگی ہر لحظہ گریزاں وہ بھی
کیا بہت پیاری ہے؟

آشور

دلدار نہیں!

عذرا

اپنی دلدار کی خاطر ہی یہاں رُک جاؤ

آشور

اپنی دلدار کی خاطر؟

عذرا

مرے ملجا ماویٰ!
نینوا کے چمن آرائے ستارہ رُخ سے
اس کی دلدار فقط جینے کا حق مانگتی ہے

آشور

سر بھی مانگو تو بلا چون و چرا حاضر ہے
اولیا! جاؤ کھڑے کیا ہو!

اولیا

اطاعت!

(چلا جاتا ہے)

آشور

(عذرا سے)

جاناں!
اتنی سی بات پہ ہو کس لیے لرزاں ترساں؟
جس کی شریانوں میں بلوانوں کا خون بہتا ہو
جان سے بڑھ کے ہو ناموسِ وطن جس کو عزیز
ایسے بے حرمتی اس کی ہو گوارا کیونکر!
ہم شہنشاہ ہیں ناموسِ نیاگاں کے امیں
کبھی چھن سکتی ہے ہم سے یہ جواں حوصلگی؟
ہے رگ و پے میں حمیت کا حرارہ جوشاں
رُبع مسکوں ہمیں کہتا ہے خدیو گیہاں
سامؔ و عادؔ و ارمؔ اپنا ہے زمانے میں نسب
جس کا مفہوم ہے ممتاز و بلند و ذیشاں
ہم سے ہے دودۂ بیخوس سعید و دلشاد
زندہ ہے تمکنت و سرجونؔ و سنا حربؔ کی یاد
سطوت و صولتِ شلما نصر و شمس عداد!

عذرا

کاش یہ جذبۂ دل زندہ و پایندہ رہے!

دُوسرا پردہ

پہلا سین

(تنہا)

قرصِ خورشیدِ جہاں تاب شفق پوش ہوئی !
ہلکی بھی شام چھپی پردۂ زنگاری میں !
سائے پھیلے در و دیوار پہ گندھک ایسے
کوچے ویران ہوئے قصر و نشیمن آباد
اخترِ شام کی سرمستی و رعنائی سے
آخر الامر کھلا عقدۂ ما لا ینحل
پھر نہ اُبھرے گا یہ خورشیدِ جہاں تاب کبھی
اور اُبھرا تو اس ایوان کی بربادی پر
نوحہ گر، نالہ چکاں، مرثیہ خواں اُبھرے گا
آلِ نمرود کا ہنگامِ رحیل آ پہنچا

یہ بتایا ہے مجھے زحل و زہرہ بانت نے
ان سے ناراض ہیں نن خرسنغ و داتا ماما
ہچکیاں لیتا ہے دیوٹ پہ چراغ زیتون
یہ شب اس کا نفس باز پسیں ہے شاید!
صاف بربادی کے آثار نظر آتے ہیں!

(ازبک، ایک عقبی دروازے سے داخل

ہوتا ہے)

ازبک

دی ستاروں نے کوئی خوش خبری، بیلاسین؟
منتظر جس کے تھے ہم، رات وہ آ پہنچی ہے

بیلاسین

زائچہ میں نے بنایا تو پکارا طالع
اس گذرگاہ میں کچھ سخت مقام آتے ہیں
ایسی کچھ دور نہیں منزلِ مقصود مگر
موت کی وادیٔ پرخوں سے گزرنا ہوگا!

ازبک

کیا مقدر ہیں نہیں دوست، نوید نصرت؟
پورے چوکس ہیں جوانانِ جگردار اپنے
یہ جری عزم وغا کرتے ہیں بے ساز و یراق
بڑھ کے ہے مورد بلخ سے سپر شوخ و شنگ
آج آراستہ پیراستہ ہے شطِّ فرات
ہر طرف خیمے، سراپردے، قناتیں، خرگاہ
بر دو زربفت و سقرلات و حریر و خز کی
تا کہ وہ شیفتۂ رقص و سرود و صہبا
شبِ مہتاب میں جذبات کو آسودہ کرے
اپنی تدبیر کا پانسہ اگر اُلٹا نہ پڑا
میٹے گلگوں کا چھمکتا ہوا پھیلا جرعہ
شاہِ والا کے لیے زہرِ ہلاہل ہو گا!

بیلاسین

بادشاہوں کی اجل اس قدر آساں بھی نہیں
ور وہ شخص کہ ہے میرِ عساکر اس کا
جس قدر سمجھے ہو تم اتنا نیا کوش نہیں

کہ بدلتے ہوئے حالات سے بے بہرہ رہے
امتزاج اس میں ہے مستوری و ہشیاری کا
تیر پرتاب نظر اس کی ہے مانندِ عقاب

(قنبر داخل ہوتا ہے)

قنبر

بادشاہ جشنِ شبانہ میں ملک زادوں کو
یاد کرتے ہیں!

بیلاسیاس

کب مہرِ فرات؟

قنبر

نہیں ایوانِ شہی میں

ازبک

یہ تغیر کیسا

بیلاسین

راستے بدلی ہے اچانک کیسی ؟

قنبر

بس کی تشریح سے قاصر ہے غلام
اب اجازت !

ازبک

نہیں ٹھہرو !

بیلاسین

بیکار ــــــــــــ
کیوں اسے روکتے ہو جانے دو !
(قنبر سے)
رات کے بارہ بجے ہے نا ؛

قنبر

جناب عالی !

(چلا جاتا ہے)

ازبک

اس تغیّر کے پسِ پردہ کوئی راز نہ ہو!

بیلاسین

کیا تلوّن میں کوئی راز نہاں ہوتا ہے؟
رنگ رس لہریں ہیں البیلے انوکھے من کی

ازبک

رنگ و نیرنگ کا لیکن یہ تسلسل ٹھیک نہیں

بیلاسین

آنچ دیتے ہیں کسوٹی پہ یہاں کستے ہیں
اتنی سی بات پہ تم حوصلہ کیوں ہارتے ہو؟
یہ تو معشوقۂ تقدیر کا نک توڑا ہے
امتحاں شیشہ و پولاد کا جس سے مقصود
جیا جینے والوں کو نت کھٹ یونہی ڈہکاتی ہے

ارنک

امتحاں گو یہ اصالت کا صلابت کا سہی
پھر بھی مردانِ اولوالعزم و جواں ہمت کو
وقت کے پیشِ نظر دیدہ وری لازم ہے

بیلاسین

دیوی نصرت کی ترے نقشِ قدم چومے گی
آج حاصل ہے تجھے لعَل و آنو کی تائید
شاملِ حال ہے توفیق اداد و عشتار !
ہے چنور بالِ ہما کا سر پر !
دیوتا دیتے ہیں بردان تجھے یاد رہے !

(بختیارک داخل ہوتا ہے)

بختیارک

اے ملک زادو !

دونوں

(چونک کر)

حضورِ والا!

بختیارک

دونوں سے خوب ملاقات ہوئی
اس جگہ تم کو مگر پانے کی امید نہ تھی
بارہ بجنے میں ابھی ایک پہر باقی ہے

بیلاسین

بارہ بجنے ہیں، مگر آپ کا مطلب اس سے؟

بختیارک

کیا نہیں شاہ کا پیغام نہیں پہنچا ہے
کارِ مزدود ہیں جب جشن کا ساماں ہو گا
کتنے پیوند ہیں ملبوسِ ریا کاری میں
یہ بہانہ طلبی سازش و عیاری کی!
مجھ پہ لیکن اثر انداز نہیں ہو سکتی
میں مکائد کے ہر انداز کو پہچانتا ہوں

(کمربستہ سرہنگ داخل ہوتے ہیں)

اپنے ہتھیار مرے قبضے میں دے دو فوراً

بیلاسین

(اپنی تلوار حوالے کرتے ہوئے)

بسر و چشم!

ازبک

امیرِ عسکر
ذرا شمشیر جگر دار کے جوہر دیکھے

بختیارک

(برقنداز وں سے)

سیفِ صارم کو اچھالو تم بھی

بیلاسین

(ازبک سے)

کیوں حماقت پہ تلے ہو ازبک
ناز کی وقت کی کہتی ہے کہ خم ہو جاؤ

ازبک

جُگن توہین ہے مردانِ بلاپیشہ کی
کسی قیمت پہ ہیں تیار نہیں جھکنے کو

بختیارک

جاں نثارو! کھڑے کیا دیکھتے ہو
راج گدّی کا ہے دشمن یہ سگِ خارشتی!

(برق خدا نہ، ازبک پر جھپٹتے ہیں
لیکن آخر گھونگھٹ لگا جاتے ہیں)

بختیارک

بے نیام اپنی اُپلی تیغ کو کرنا ہی پڑا
یا اسٹور د مرد رخ!
متقابل ہے مقابل میرا
رُک گیا دیکھ روانی میری
کس کا جیوڑا ہے کہ سنمکھ ہو جو رن بیڑوں کے؟

(آشور مصاحبوں کے ساتھ داخل ہوتا ہے)

آشور

مرے محلوں میں مرے سامنے یہ گستاخی
تم دوانے تو نہیں عقل کے دشمن تو نہیں
بابدولت کی اہانت پہ جو آمادہ ہو؟
(دونوں الگ ہو جاتے ہیں)
کون تلوار اٹھاتا ہے ملک زادوں پر؟

بختیارک

بندۂ بادشہِ انجم سپاہ!

آشور

اختیار اس کا تمہیں کس نے دیا؟

بختیارک

(خاتم شاہی دکھلاتے ہوئے)
شاہِ ذی جاہ کی انگشتر نے!

آشور

اس کا مصرف یہ نہیں

اپنی تلوار کو فی الفور میاں میں کر لو
کہو اس صورتِ احوال کا باعث کیا ہے؟

بختیارک

چپقلش اُلفت و انصاف کی غدّاری سے

آشور

یعنی احسان فراموش ہیں دونوں سردار
مابدولت کو مگر کس طرح آئے باور؟

بیلاسپن

کوئی الزامِ بغاوت کا ثبوت!

بختیارک

تیرے ہم راز کی تلوار ہی ہے

ازبک

بارہا جو شہ والا کی حمایت میں اٹھی

بختیارک

وہی تلوار نہ کام آمد نہ کرے آج کی رات
شاہ کے خون سے گلگونہ قبا ہونے کو ہے!

آشور

ہم سمجھتے ہیں سراسر یہ غلط فہمی ہے
مرد بالوں کی طرف سے نہیں خطرہ کوئی

بختیارک

موت اس بدبختی شہر کو لوٹتا ہے

آشور

ہمیں حاجت نہیں لوٹانے کی
بے ضرورت نہ کرو اس کا منہ استعمال

بختیارک

ہم نے ناموسِ خداوند کی خاطر ہی لیے
زیبِ انگشت کیا مالکِ اکلیل و نگیں!
سونپ دیں اب اسے تحویل میں ان دونوں کی
اب تو یہ تاجِ اشوری کے بنے رکن رکیں!

آشور

ہم سمجھتے ہیں انہیں صادق و مخلص اپنا

بیلاسین

ان کو تو دامنِ دولت کے ہوا خواہوں سے
کوئی دیرینہ عداوت ہے شہِ بندہ نواز؛
خیر خواہوں کو یہ گردانتے ہیں ہدِ فضول!

بختیارک

اے عبا پوش ترے خرقۂ سالوسی میں
مکر و تزویر کے اجرام سیہ پلتے ہیں
خو تری عقربی و روباہی

طمع ، کینہ گری و قلّابی
یہ اٹھن کھائی کسی اور کو دو
مشغلِ نسناس کے ہو خصلت ہیں !

بیلا بین

اے خداوندِ جہاں ! ہم ہیں طلب گارِ اماں

آشور

بادولت بھی خواہوں کو اماں دیتے ہوئے
نہیں الزام بغاوت سے بری کرتے ہیں

(آشور ، بختیارک اور مصاحبین کے ساتھ رخصت
ہو جاتا ہے۔ ذاب در بیلا بین اکیلے رہ جاتے ہیں)

ازبک

میرے نادان منجم بھائی !
آہ ! ردیا ترا بے ہودہ و باطل نکلا
نہیں کس طور سے تو چال ہیں شرمات ہوئی

بیلاسیان

ڈر نہیں دوست یہ ایوانِ شہی اپنا ہے
اپنے قدموں ہیں جھکیں گے یہ سنہری مینار

ازبک

خود فریبی کی بھی حد ہوتی ہے

بیلاسیان

وہی فرصت ہے وہی رات وہی جشنِ طرب
وقت کے ہاتھ ہیں فرمانِ شبیخوں بھی وہی
بار آور یہ ہنگام ہے کیوں کھوتے ہو؟
کیوں مخوف ہو وہ کل جل چکی، دھر دھمکو!

ازبک

میں کمینہ نہیں کم ظرف نہیں
اپنے محسن پہ یہ تلوار نہیں اُٹھ سکتی

بیلاسیان

یہ ستاروں کی زباں اور ہی کچھ کہتی ہے

ازبک

دست و بازو میں نہیں تاب و تواں

بیلاسیان

پھر میں تنہا ہی سفینے کو رواں کرتا ہوں
تخت پر بھی تو فقط ایک کی گنجائش ہے

ازبک

پر وہ خالی تو نہیں

بیلاسیان

بلکہ خالی سے زیادہ، سر و آوازِ حزیں
ہوئی خونِ شہدا سے گُل و گلزار زمیں
دست بے بارہ، قدم بے خلخال!
زہرہ آوازہ و انانا رُخ و برجیس جمال

در بدر پھرتے ہیں درماندہ، شکستہ، بدحال
کھینچ لی اس نے اسیروں کی زباں گدّی سے
اور پھر گرگ و سگ و خوک کے آگے ڈالا
آگ بابل کو لگا کر اسے غرقاب کیا
ملکہ تھی جو ممالک کی بنی باجگزار
نام لیوا نہ رہا پانی کا دیوا نہ رہا
راہیں ویران ہیں صیہون کی پھاٹک سنسان
مٹ گئی دخترِ صیہون کی شان و شوکت
ہوئی بیلے سنتر یہودہ کی کنواری بیٹی!
شام و فینیقیہ، مصر و عیلام
روتے، سسکارتے، کرلاتے ہیں!

(اولیا داخل ہوتا ہے)

اولیا

اے ملک زادو یہ فرمان ہوا ہے، فورا
طرف بابل و ماہات کو تم کوچ کرو!

بیلاسابین

اپنی افواج سمیت ؟

اولیا

لے کے ہمراہ فقط اہل و عیال

ازبک

لیکن !

اولیا

اب مجھ سے زیادہ نہ کرو چوں و چرا
ہے یہ فرمان جو ہے واجبِ اذعان، سنا!
(چلا جاتا ہے)

ازبک

پا نشاری کے سوا اب نہیں چارہ کوئی

بیلاسیبن

اس میں کیا شک ہے کہ فرمانِ قضا ناطق ہے
کاٹو زندانِ گلوگیر میں اب عمرِ عزیز !

ازبک

آف مرے خواب کی تعبیر بھیانک نکلی !
جیف ہیں ہاتفِ غیبی کی صدا بھول گیا
عاقبت منزلِ تو وادیٔ خاموشاں ہست
حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز !
اپنے مسلک کو بدلنا ہی پڑے گا مجھ کو

بیلاسیبن

وقت نازک ہے پس و پیش سمِ قاتل ہے
ابھی آمادۂ پیکار ہے لشکر اپنا !
(چلے جاتے ہیں)

(آشورہ و بخت نصر داخل ہوتے ہیں)

آشور

کیسی تدبیر سے ہم نے انہیں قابو میں کیا
کس طرح سانپ کو منتر کی دعا سے کیلا!

بختیارک

ہاں مرغوب ہے چندن رکھ کی !
جس پر بیٹھی ہیں سب ناگنیں کنڈل مارے

آشور

اب بھلا ان کی بغاوت کا ہمیں کیا خطرہ

بختیارک

شور سا کوچہ و بازار میں ہے
مجھے جانے کی اجازت دیجے!

آشور

جشن مہتابی میں ہو گے نہ شریک؟

بختیارک

رقص و رامش سے اہم تر ہیں امورِ ملکی
ابنِ عم! خطرے میں ہے تختِ شہی

آستور

اے بہادر ساونت!
کیا سزا کافی و شافی نہیں ان کو جو ملی؟
وہ تو اب لوٹ گئے اپنی عملداری کو

بختیارک

نہیں لوٹے وہ جناب اپنی عملداری کو
خطرہ اب بھی ہے برابر مجھے جانے دیجے!

آستور

خوب جاؤ، پہ رہیں وہ زندہ!

بختیارک

بسر و چشم، جنابِ والا!

(چلا جاتا ہے)

آشور

(تنہا)

وہ ہے کہسار کے مانند درشت و دشوار
ہم ہیں خوشبو سے مہکتا ہوا میدانِ تتار
جرگہ در جرگہ جہاں چوکڑی بھرتے ہیں غزال
کیا کریں ذوقِ خداداد سے مجبور ہیں ہم
نقشِ حُب دل میں اُتر کر دہیں رم جاتا ہے!

(عذرا داخل ہوتی ہے)

عذرا

شاہ! مہتاب ہوا خلعت پوش
پھن اٹھائے ہوئے لہراتے ہیں بادل پر جوش
گونج بجلی کی کوئی سوختہ ساماں جیسے
آرزوؤں کی جواں نعش پہ نوحہ گر ہو!
بادِ باراں کا یہ طوفان ہے محشر بردوش!

آشور

تجھے طوفان سے ڈر لگتا ہے ؟
جشن محلوں ہی میں آراستہ ہے

عذرا

شکر ہے آپ نے خطرات کا احساس کیا

آشور

وہ تو یکساں ہیں محلات کے اندر باہر

عذرا

پھر بھی سنگین فصیلوں کے فلک بوس حصار
آپ کو دشمن بد بیں سے بچا سکتے ہیں
لب دریا تو کوئی مامن و ملجا بھی نہیں

آشور

برج ہوں فاقت و ارداط کے یا چاند کے غار
یہ الپس کا پری گوشۂ گوہر آگئیں

کوئی بھی موت کی یلغار سے محفوظ نہیں
ملک الموت کے آگے ذرۂ رہ میں ہے غبار
لیکن اب تو کوئی خطرہ نہیں شور و شر کا
ہو چکے سرغنے سازش کے مرخص کب سے!

عذرا

ہیں وہ زندہ تو یہ ناعاقبت اندیشی ہے

آشور

تیرے گلنار لبوں پر بھی وہی باتیں ہیں
جتنیں جو اس اوچھی کے ہونٹوں پر
اک شہنشاہ غلاموں سے نبرد آزما ہو؟

عذرا

یہ غلام آپ کا رنگ و عصا چاہتے ہیں
ان کی اس تاج مکلل پہ لگی ہیں نظریں
شمش و جبتیش نے جو آپ کے سر پہ رکھا
سخت لرزا ہوا شاداں نظر آتا ہے انہیں

آشور

انتقام آئینۂ فطرتِ نسوانی ہے
ہم ہیں شاہین و عقاب و عنقا
صیدِ مردہ نہیں طعمہ جن کا !
سِفلگی خلق و طبیعت میں نہیں
زندہ رکھے گی ہمیں لوحِ رگِ گل کی تحریر
ہو بہو کھینچی ہے ایام کی جس میں تصویر
جشن کا وقت ہوا اُٹھو بھی چلو جانانہ .
منتظر تشنہ لبوں کا ہے لبِ پیمانہ !

تیسرا پردہ

(رہ رخ مرقد بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ آشور اور شاہی
مہمان مصروفِ ناؤ نوش ہیں۔ باہر باد و باراں کا طوفان
برپا ہے)

آشور

رقصِ مے تیز کرو ، ساز کی لے تیز کرو !
ساقیانِ سمن اندام و پری پیکر سے
شیشۂ احمر کے چھلکتے ہوئے ساغر لے کر
دوش و فردا کو فراموش کرو آج کی رات!
نفسِ لوّامہ کو خاموش کرو آج کی رات
جستجو ! گلشنِ ہستی کے خیابانوں میں
جلوۂ سروِ خراماں کے سوا کچھ بھی نہیں
نکہتِ سنبلِ بویاں سے سوا کچھ بھی نہیں
عمرِ دوراں کا مدد ہے رحیقِ مختوم .

حارث

حبذا! رشحۂ کاساتِ کرام!
شاہ کی شوکتِ شاہانہ جہانگیر رہے
ہر طرف دیس میں پرجا خوش و آسودہ دست
اس کے دامن کی درازی کو دعا دیتی ہے

آشور

خوب! لیکن ہمیں سازش کی خبر پہنچی ہے

حارث

محض افواہ، حضور والا!

آشور

جھومتے ہیں تارے جہاں، دن کے موتی کی طرح
ساز پر ہے دُھنیں ہیں سکونِ خاطر
مشتعل ہے محفلِ جنوں شغلِ مے ناب کرو
دعوتِ بزمِ شبی نذرِ تب و تاب کرو
مطربہ! چھیڑیے نشید طرب انگیز شباب

کیسے بے زخمۂ مضراب تمنا کا رباب
جھنجھناتا ہے رگِ تاک سے رِستی ہے شراب
کیسے کرتے ہیں شنا لال پری کے مجرے
چوڑیاں دستِ حنائی ہیں کنول ہیں گجرے
آگ پانی میں لگاتے ہیں گلوں کے گجرے
کیسے جامے میں سماتے نہیں نو خاستہ گل
چادرِ شب کو جگاتی ہے صدائے قلقل
عمرِ رفتہ کو بلاتی ہے صفیرِ سلسل

(اولیا داخل ہوتا ہے۔ شمشیر برہنہ قبا دریدہ،
خون آلودہ۔ سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

اولیا

(پہرے داروں سے)

سونتو تلواریں چلو دوڑو فصیلوں کی طرف
سوچ کا وقت نہیں شادی کی جاں خطرے میں ہے

(آشود سے)

چکرورتی ، دگپال!
دربانوں کے عساکر نے بغاوت کر دی
جان بچالو ، یہ سمے دخمہ کا ہنگام نہیں

فرماں دقت کا فرمانِ عمل دیتا ہے

آشور

(حجاب سے)

سپر و جوشن و تیغ و مغفر
ڈھال گینڈے کی ہو شدید نگارِیں پیکر!

(مجمعِ حدّاد سے)

خود و خفتان کا موقع ہے بنو چاق و چُست
جاجو، گرم کرد رخشِ عزیمت فی الفور۔

(اولیا سے)

جاؤ سالار کو دو مژدہ کہ ہم آتے ہیں!

اولیا

یہی مژدہ ہے نوید نصرت
طائرِ ہیں رہِ فصلِ بہار۔

(چلا جاتا ہے)

(مجمع منتشر ہو جاتا ہے۔ آشور مسلّح
ہوتا ہے۔ عذرا موجود رہتی ہے)

آشور

کسی تہ خانے میں جا کر چھپ جا
اس جگہ خطرۂ جاں ہے ، عذرا!

عذرا

سایۂ دامنِ دولت ہے پناہ گاہ مری
کہیں مطلوب سے چھٹ کے بھی جیا ہے طالب؟
عشق میں موت ہے عاشق کو حیاتِ جاوید!

آشور

مرے سینے میں سما کر ماہی
آتشیں بوسے کی شیرینی سے
عزمِ آمدہ کو آساں کر دے!

عذرا

ہر بُنِ مو سے نکلتی ہے صدا
حامی و حافظ و ناصر ہو خداوندِ رزع!

(آشور رخصت ہوجاتا ہے، عذرا آتشیں

میں سے زہر کی شیشی نکالتی ہے اور سوچ
میں غرق ہو جاتی ہے)

(اولیا داخل ہوتا ہے)

اولیا

اُٹھو عزرا مرے ہمراہ چلو!

عذرا

پر شہنشاہ ؟

اولیا

انہیں نے تو مجھے بھیجا ہے
سوئے دریا جو نکلتی ہے سُرنگ
اس سے باہر تمہیں لے جانے کو

عذرا

دن کے تیور کیا ہیں ؟

اولیا

نسلِ مزدکؔ کا طالع ہے زوال آمادہ

عذرا

نوشِ جاں میں نے کیا زہر، سمندر منتظر ہے
غیرتِ عشق کی توہین ہے اندازِ فرار
انھیں لمحوں میں بجے گا مری حسرت کا مزار
دل کو سودائے محبت میں خسارہ کیا ہے؟
قصۂ دار و رسن، بازیِ طفلانۂ دل
سوختہ ہو مزرعِ ہستی تو آگے داغِ دل!

(آشور، جمعیت کے ساتھ داخل ہوتا ہے اور
اُٹھ کر ان میں شامل ہو جاتا ہے)

آشور

جانِ دنیا ہی اگر مضطر ہے مقسوم تو پھر
یہی ستہ بارغ بنیں اپنی شہادت کی ہیں
خونچکاں رنگ بدلتا ہے زمانہ کیا کیا!
ہے منقّش کبھی عشرت کا جو گہوارہ تجھے
اُڑ لیا پاس رہو عذرا کے!

یہ میں ازبکت اور سیلابیں، جمع خیمہ کے
سب منھ آکھتے ہیں، ورزمین میں آغازِ جنگ ہوتا ہے۔

آپ زخموں سے تو محفوظ رہے ؟

آشور

زخم ہیں ان کی کوئی بات نہیں
خوف کیا ، رنج و صعوبت سے تکان کیسا ؟
تحفۂ جنگ جراحت کے سوا کیا ہو گا ؟
کلفت ، آشوب ، تھکن ، اضمحلال
میرا ہر عضوِ بدن دُکھتا ہے
اک ذرا ہوں گا میں صوفے پہ دراز

آبِ زلال !
سچ ہے الحرب سجال !
(آب دار پانی پیش کرتا ہے)
ہے گویا آبِ حیات !
آنکھوں میں خواب سے کی تاخت مجھے سونے دو!

(سب چلے جاتے ہیں۔ آشور نڈھال ہو کر
صوفے پر گر پڑتا ہے۔ عذرا بھی زمیں فرش پر
لیٹ جاتی ہے !)

چوتھا پردہ

عذرا

اے خیالوں کے جزیروں کے سجیلے پنچھو!
بہجت و راحت و تسکیں کے گریزاں لمحو!
واسطہ پیت کی ماری تمھیں دیتی ہے سنو
اپنے افسونِ دل‌آرائی و مدہوشی سے
نیند کی پریوں کی آغوشِ خمار آگیں میں
تنک اس خستہ و واماندہ کو دم لینے دو

آشور

(چونکتے ہوئے)

کسی قیمت پہ یہ سودا مجھے منظور نہیں
میں ہوں آشور ہی پال۔ خداوندِ زمیں
یہ مخاطب مرے کن پردوں میں روپوش ہوئے

میں کہاں ہوں یہ شبستانِ شہی کیسا ہے؟

عذرا

جہاں پناہ! آپ نے شاید کوئی سپنا دیکھا!
یہ کنیز آپ کی ہے اور یہ مقصورہ بھی
خوش و خورسند رکھے ربِّ الشمس
یوں سراسیمہ و حیراں کیوں ہیں؟

آشور

مہ جبیں! ساعدِ سیمیں تو مرے ہاتھ میں دے
تا کہ معلوم ہو بیدار ہوں میں
محوِ جولاں تھا پرستانِ ابیجی میں ابھی
تخت پریوں کے چلے آتے تھے چھن چھن کرتے
لعل و یاقوت کی کان، ارضِ الوناّ کی ہیں
موجِ ریحان و حنا۔ لخلخۂ مشک و گلاب
اپھریاں جن سے خجل لولوئے منثور کی آب
قیدِ پوشاک سے آزاد، برافگندہ نقاب
نہ کوئی واسطہ حائل تھا نہ پردہ نہ حجاب
اپسراؤں کے اتن ناچ میں زندہ جادو

جیسے صحرا میں صبا، جیسے چمن میں خوشبو
قمریاں باغ میں بولیں ہرنیاں مرپادل میں
مثلِ عرعر کے نمودار و کشیدہ قامت
تختۂ صندل و بلّور، ستونِ الماس
شاخِ بقّم کی طرح. صورتِ دُرّ و مرجاں
برجِ سیمیں تھے وہ تن کہ پھل سونے کے
عنبریں کاکلیں یا پشم و قصب کے لچھے
انگ بل کل میں لپیٹے ہوئے دیوانگنائیں!
شدّت سیمی سی کسُم شُر سی لذت ابلائیں
پنش کوکل کی صدا. نغمۂ چاتک پکشی
مرگ چھونوں کی اچھل کود وہ نندن بن میں
باڑ سے سے شجرِ الماس و جواہر کے منڈھے
تھیلیاں تاک کے خوشوں پہ تمامی کی چڑھی
زیرِ نمگیرۂ زرتار بچھے فرشِ فردش
عود و عنبر کا بخور، اٹھتا ہوا منقل سے
جنبش جوڑ سے مردنگ و کنول نہروں میں!
ارغواں ساقی. سمن سینہ. کدم کی کلیاں
سنر کمل چھینٹ سے ڈھانکے وہ مہاوہ ملیاں
دُدُ سے جھونڈوں میں مہرو. عوض جوڑا من

ابلے گھلے پھریں ہر سمت نگارِ پُرفن
نوجوانیں تھیں مکمل بجواہر ساری
لرزشِ موج نواسنج، ہوا گلناری
ایک غمگین چمک چاندنی چونچال ادا
تن پہ پوشاک شہانہ، متجلّی چہرہ
میں تو حاضر ہوں۔ مجھے دیکھ کے ہنس کر بولی
شرمِ نظّارگیوں کی ہے مگر دامنگیر!
تھا ادھر تو یہ فسوں خیز سماں، در ادھر
ہاویہ نالہ و فریاد و فغاں سے معمور
قہر و آزار و عقوبت سے تڑپتے شہپر
کرۂ کرب و بلا، صبر کا زنداں دیکھا
چشمِ حیرت نے جو خانۂ حرماں دیکھا

(بختیارک داخل ہوتا ہے)

بختیارک

اس قدر جلد ہی آپ اُٹھ بیٹھے

آشور

جو نہ سوتا، کہیں بہتر ہوتا!

ہیں نے ہم لوگ ہیں ارواحِ سلف کو، بڈھو!
خانوادے کی تباہی پہ تڑپتے دیکھا

بختیارک

فقط احلامِ پریشاں ہیں فراموش کریں

آشور

کتنی باقی ہے ابھی رات کی کاجل دیکھو؟

بختیارک

آپ مشکل سے کوئی ایک گھڑی سوئے ہیں

آشور

ایک گھڑی تم تو سمجھتے تھے زمانے جیسے
ختم کیں گردشِ دوراں کی طنابیں شاید
اک گھڑی پھیل کے صدیوں میں سما سکتی ہے

بختیارک

ابھی سانسوں میں بغاوت کی رمق باقی ہے

آگ مدھم تو ہے خاموش نہیں،
جاں پناہا! دمِ گلبانگ خروس
قلب کو مہبطِ انوارِ شہادت کر کے
ہم بھی خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں؟

آشور

ہم تمہیں اذنِ دعا دیتے ہیں

بختیارک

سچ کی اک بات ہوں کہنے والا

عذرا

شاہزادے میں بدا ہوتی ہوں:
(چلی جاتی ہے)

بختیارک

کتنی شائستہ و فہمیدہ ہے!

آشور

ہاں کہو، گوشِ توجّہ ہے نیوشس!

بختیارک

ہلکہ کے متعلق ہے یہ گذارش میری
مطلع فجر سے پہلے اسے شہزادوں سمیت
کسی محفوظ پنہ گہ کو روانہ کر دیں
وارث تخت تو محفوظ رہیں
انتظامات مکمل ہیں سفینہ تیار!

آشور

تم نے اس وقت مرے دل کی ہی حرف بحرف

بختیارک

بالڑے باپ کے دیدار کی ضد کرتے ہیں
وہ ہمشیرہ کی خواہش بھی ہے در پردہ یہی

آشور

حوصلہ کس کو عزیزوں سے جدا ہونے کا ہے؟
یک آشوب قیامت ہے یہ ساعت یہیں

اپنے ان راج دلاروں سے کہوں کیا آخر
جاؤ غمخانۂ غربت کو سدھارو بچو!

(کچھ دیر رُک کر)

مابدولت کی اجازت ہے انہیں لے آؤ!

(بختیارک چلا جاتا ہے)

(اور تھوڑی دیر بعد سیلمیٰ کو ساتھ لیے لوٹتا ہے)

بختیارک

(سیلمیٰ سے)

عظمتِ رفتہ کے اذکار سے اب کیا حاصل؟
ہمیں اسرارِ خدائی میں کوئی دخل نہیں
نعمتوں میں بڑی نعمت ہے یہ جانِ شیریں

(قریب آکر بادشاہ سے)

جاں پناہا! ملکہ

سیلمیٰ

(بختیارک سے)

تم چپ ؤ.

(چلا جاتا ہے)

جن دلوں نے کبھی پیمانِ وفا باندھے تھے
روزِ ابر و شبِ مہتاب و کنارِ دریا
خواب دیکھے تھے سہانے، چمنِ راحت میں
مرمریں قصرِ محبت کی بنا ڈالی تھی
کتنے استارِ ورات و تجابات دوئی
آج اے طالعِ برگشتہ ہیں نہ ہیں حائل!
جب گئے دھوپ ڈھلے روپ نشہ ہو زائل
شوخیاں ابلقِ ایام دکھاتا ہے یونہی
اے شتاب تاب زمانے ذرا تھم جا، آقا!

آشور

تم سلیمیٰ!

سلیمیٰ

مجھے یوں کہ کے مخاطب نہ کرو
پردۂ ساز کو محرومِ نوا رہنے دو
ایام کو سرگرمِ جفا رہنے دو

آشور

کیا گیا وقت کبھی لوٹا ہے؟
بہ گیا آبِ رواں، تیر کماں سے نکلا
کس کے بس میں ہے سمے کا دھارا؟
ہمیں معلوم ہُوا تھا ملکہ!
طالبِ دیدِ خدیور ہے سفر سے پہلے

سلمیٰ

شکر ہے آپ کے احسانِ گرامی کے طفیل
دل کے ٹکڑے مرے پہلو مری آغوش میں ہیں
ہو بہو آپ سی ہے شکل و شمائل ان کی
وقت ہر قصۂ پارینہ کو دُہراتا ہے

آشور

نونہالانِ گلستانِ نشاط و غم کی
اس توجّہ سے کرو پرورش و تربیت
کہ کہ آغشتۂ خوں، خستۂ آلامِ جہاں
بے خطر وادیٔ ظلمات کا آہنگ کرے

سلمیٰ

میرے سرتاج، مرے اُجڑے گھروندے کی ضیا

تا قیامت رہے پائندہ ترا ظلِّ ظلیل

ترے الطاف بہاریہ کی گل باری سے

اب تو یہ کلبۂ دل رشکِ پری خانہ ہے

تو کوئی فکر نہ کر اپنے جگر پاروں کی

صدفِ دہر سے نکلیں گے وہ گوہر بن کر

قرۃ العینِ سحر، مہرِ منوّر بن کر

درّۃ التاج صباحت، گلِ احمر بن کر

(بختیارک داخل ہوتا ہے)

بختیارک

اب تو ہنگامِ فراق آ پہنچا

سلمیٰ

مجھائی ان لمحوں کی تقدیس کو برباد نہ کر

ان میں پنہاں مرے ارمانوں کا رویائے جمیل

مجھ میں باقی نہیں اب طاقتِ تصدیعِ خمار

ملتجی ہوں انہیں قدموں میں پڑا رہنے دو
زخم آبلے ہوئے چھالوں میں تپک ہوتی ہے

بختیارک

میری ہمشیرہ والا گوہر!
خوش خیالی کا یہ ہنگام نہیں!
نہ بنو طفلکِ ناداں کی طرح جذباتی
دخل جذبات کا آئینِ سیاست میں نہیں

سلمیٰ

مجھے آئینِ سیاست سے سروکار نہیں

آشیاں راکھ ہوا میں رہوں لب بستہ
لے گیا لوٹ کے مذموم نہانی مجھ کو
نہیں مطلق ہوسِ شاہجہانی مجھ کو
قصرِ شاہی نہیں مدفن ہے نسائیت کا
سختیاں ہجر کی فرقت کا کسالا جھیلا
حسرت و آرزو کا دل میں لگا ہے میلا

بختیارک

وقت نازک ہے بہت جا بھی چکو

سلیمیٰ

نہ ٹھہرنے کی سکت ہے نہ سرت جانے کی
رنج جاوید کا مژدہ ہے سلام رخصت!

بختیارک

بیتے افسانوں کو دہرانے میں کیا رکھا ہے؟
گردش وقت کے آثار و قرائن دیکھو
معرض مرگ میں بچوں کو نہ ڈالو اٹھو

(ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہے۔ وہ پچھاڑ کھا کر بیہوش

ہو جاتی ہے۔ بختیارک اسے ہاتھوں میں
اٹھا لیتا ہے)

آشور

موروثی کلاہ کی ہے تجسس نہ پہنچے اس کو:
(بختیارک بیٹے کو اٹھا کر
لے جاتا ہے)

آشوب

(تنہا)

نظمِ عالم ہے کہ مجموعۂ ویرانی ہے
دفترِ مظلمہ و حسرت و حیرانی ہے
کوئی بھٹکا ہوا پنچھی ہے کہ دل پہلو میں
شوق کب تک رہے زنجیریِ آدابِ خرد
کیا کیا جذبِ طلب، ذوقِ تحیّر دے کر
اس سے اچھا تھا کہ اے پاک مقدّس نقشو

مردِ آزاد کو دیوانہ بنایا ہوتا
پیرِ خوش خاطرِ مے خانہ بنایا ہوتا
سر نشینِ رہِ جانانہ بنایا ہوتا
شمعِ تصویر کا پروانہ بنایا ہوتا

بزمِ ایجاد میں عنقا ہے فراغِ خاطر
نہیں اس تختۂ شطرنج پہ یارِ شاطر
گردِ باد اُٹھتے ہیں گلشن میں بگولے مضطر
رہروِ راہِ محبت کے کوئی سنگ نہ ساتھ
دلِ پامال ہے عشرت کدۂ تصدیعات
آہ یہ سلسلۂ شعبدہ و نیرنجات!

حلقۂ مارِ گزندہ ہے کلاہِ زرّیں!
باعثِ رنج و تعب، کارِ جہانبانی ہے
کس جگر دار کو دعوےٰ ہے شکیبائی کا؟
حاصلِ برگ و نوا بے سر و سامانی ہے،
نت نئے سانگ رچاتی ہے عروسِ دنیا
ہے فریب اس کی لگاوٹ تو تعشق دھوکا
عوضِ نفت چراغوں میں لہو جلتا ہے
تند ہے آتشِ سیّال، سبو جلتا ہے
کوئی دھڑکن، کوئی سنچل، کوئی نوحہ کوئی راگ!
جاگ اے سوزِ غمِ عشق، شکوخواب سے جاگ!

(عذرا داخل ہوتی ہے)

آشور

کس سے آنے کی اجازت لی ہے؟

عذرا

میرے کانوں میں اک آوازِ حزیں پہنچی تھی
کسی دل چاک کی غمگین و دل انگیز فغاں
جیسے رہ رہ کے کلیجے کو مسوسے کوئی

دل نے آہستہ سے منگھم میں کہا
میں نے سوچا

آشور

یہ کنیزی کی رہ و رسم نہیں

عذرا

پھوپھی! بھول ہوئی لونڈی سے

(جانے کے لیے مڑتی ہے)

آشور

ہمیں اس تلخ نوائی پہ پشیمانی ہے
کیا کریں درد نے دیوانہ بنا رکھا ہے
ابھی ناموسِ شہی ہم سے سخن پیرا تھی

عذرا

ملکہ ۔ گوہر دُرجِ خوبی
شب چراغِ رنواس!
دیکھ بیٹھیں وہ اگر مجھ کو یہاں!

آشوُر

کون دمساز ہوُا شامِ سیہ بختی کا؟
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے
خوابِ ایّام کی تعبیر سلیمے بھی گئی
تجھ سے بھی اے بُتِ نوخاستہ ہوتے ہیں وداع
قیدی عادات و شیَم کے نہیں ارباب ہمم
تھی فقط بزمِ طرب میں طلبِ یارِ ظریف
آرزو کلفتِ غم میں کسی ہوش کی نہیں
بوُئے گلُ سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں
کس نے پایا اثر نالۂ دل ہائے حزیں؟
ورِ دیک ساغرِ غفلت ہے چہ دُنیا و چہ دیں؟

عذرا

اے کہ جلوہ ترا تسکینِ دلِ دیوانہ
بس ملامت سے مرا سینہ پھٹا جاتا ہے
تو مری روُح کا سنگیت، مرے انگ کا میت
بہ جگر سوختنی، میری محبّت کی ہے جیت
ہے مہک جس میں تصوّر کی ملن کی خوشبوُ

مرے آقا مرے محبوب! ہے یہ پیت کی ریت
تو ہے معبود مرا، میں ہوں پرستار تری
قیمت خونِ تمنا، نظرے خوش گزرے!
(بختیارک داخل ہوتا ہے)

بختیارک

یہ کنیزک!

آشور

اسے اس وقت ملامت نہ کرو

بختیارک

ملکہ اور حسین شہزادے
آخر آزادِ غمِ رحلہ و زاد ہوئے

آشور

مرحبا، محبوب!

بختیارک

یہاں سے جا کر
اس نے چپ چاپ کیا عزمِ سفر
دمِ رخصت نہ کوئی اشک نہ نالہ نہ خروش
رہی تمثال سی تصویر کے مانند خموش

(نقارے پر چوٹ پڑتی ہے)
طبل و تنبور کی آواز آئی
شورِ جنگاہ کا آغاز ہُوا

۳

آشور

ہم بھی سرگرمِ ستیزہ ہو کر
برق و سیماب و شرر بن جائیں
یا طباشیرِ سحر کو پا لیں
یا شبِ داج میں گم ہو جائیں
رختِ ہستی کے سیہ دھبوں کو
اپنے خونابِ جگر سے دھو جائیں!
(نکل جاتے ہیں)

عذرا

سچ کے ہتھیار نکلتا ہے نگاہیں پیکر
اڑیں نفرت کے پتھر یہ ہر سُو !
گُل نیزہ بنے سر دُشمن کا !

پانچواں پردہ

عذرا

(ایک جھروکے میں)

کس تکلف سے نمودار ہوا نجمِ سحر!
دھند کا پردہ ہٹا، نور کا تڑکا چمکا
پھر کی تاروں کی ورق ردائے نیلمبر سے
شفقِ صبح کے لمحاتِ پریشاں کا فروغ
چارہ فرمائے ستمگاریٔ شب کیا ہو گا!
شب دیجور بلا دیکھ چکے اب دیکھیں!
پردۂ صبح سے کیا چہرہ نما ہوتا ہے؟
سرسراتی ہے رگ و پے میں شرابِ تلخیں
کیف و کم شکر کا اندوہ فزا ہوتا ہے
لذت و درد میں کوئی حدِ فاصل ہی نہیں

نغمہ نزیاد کناں نَے سے جدا ہوتا ہے

قنبر

تھا جہاں دھوم دھڑکا، وہاں بھیروں ناچا
فرصتِ زیست کا یہ آخری دن ہے شاید
اتنی جمعیّتِ خاطر سے نوا پیدا ہو
تم کہیں جذبہ و احساس سے عاری تو نہیں؟

عذرا

سنگ دل آہ و تکلّم کو سمجھتا ہے نشید
نالۂ درد پہ نغمے کا گماں کرتا ہے
حاصلِ سعی و تمنّا یہی محرومی تھی
تو دلِ ذرہ کے ارماں تو نکالے ہوتے
جامِ میخانے میں بھر بھر کے چھپائے ہوتے
محفلِ دہر میں بے لومۃ لائم ہو کر
بے خطر شام و سحر داد ہوس دی ہوتی
مثلِ مستاں، بہ علی الاعلان بسر کی ہوتی
پُر شکوہ ارض و سماوات کے نظاروں میں
کتنا بے مایہ و بے ارز ہے انساں کا وجود!

دہر سے اہلِ تمنا چشمِ تمتع رکھنا
عارضی رنگِ جہاں، عارضی ذوقِ رواں
رات بھر کا یہ تماشا ہے سحر کچھ بھی نہیں
ہم نے افکارِ جہانِ گزراں میں پھنس کر
فرصتِ عیش کی کتنی بڑی نعمت کھو دی!
ہائے کچھ قدر نہ کی عمرِ گراں مایہ کی!

(سپاہی مجروح بختیارک کو اٹھائے ہوئے لاتے ہیں۔ اس کے پہلو میں تیر پیوست ہے۔ وہ اسے تزک صوفے پر لٹا دیتے ہیں)

عذرا

اے خداوند یہ خونیں منظر!

قنبر

قصرِ مزدک کے الوارِ تنگ تاب ہوئے
وقت اس کاخ سے آہنگِ سفر کرتا ہے

بختیارک

کاٹ لو اس کی زباں سیف سے

عذرا

ہر دو لعنت!
شیش ناگ اس کو ڈسے اور گرے اس پر گاج!
در گزر اس سے کرو شہزادے
اسے تقدیر، انہم کیا معلوم!

بختیارک

سرفروشو، صفِ جنگاہ بلاتی ہے تمہیں
جمو میدان ہیں فرینہ بقرینہ بچھر سے
جھپٹو شہباز کی مانند ابابیلوں پر
جاؤ جاؤ مجھے صونے پہ پڑا رہنے دو

(سپاہی چلے جاتے ہیں)

عذرا

زندگی ہے کہ عناصر کا مذاق
کوہ کن، قلعہ کشا، "تاج ستاں
دیدہ ور، اہلِ نظر، شاہ جہاں
کس طرح خاک میں مل جاتے ہیں۔

(آشور داخل ہوتا ہے)

آشور

آہ !

بختیارک

کیا ہار گئے ؟

آشور

جنگ میں کھپ رہے ، کھیت ہوئے
چھن گئی ہاتھ سے زمام ایام !

بختیارک

کسی شے کو بھی نہیں گرچہ دوام
ذلت و ننگ ہزیمت کی مگر تاب نہیں

(پہلو سے تیر نکالنے کی کوشش کرتا ہے
لیکن تکلیف کی تاب نہ لاتے ہوئے آخر دم
توڑ دیتا ہے)

آشور

ایک اک کرکے ستارے ہوئے جاتے ہیں غروب
صف بہ صف موت کے منحوس قدم آتے ہیں
جس جگہ رقص تھا بازارِ حیات آج وہاں
پیکِ گلگشتِ سفیرانِ عدم آتے ہیں
جن حریفوں سے کہ پیمانِ وفا باندھے تھے
غرقۂ قلزمِ شور و شبِ دیجور ہوئے
خاک کا رزق بنے شعلۂ مستور ہوئے
زندگی قافلۂ رفتہ کا پس خیمہ ہے
طرقوا کی ہے وہ للکار نہ گلبانگِ نقیب
کہیں ملتا نہیں ڈوبے ہوئے تاروں کا سراغ
دیدہ و دل کے تجلی کدے بے نور ہوئے
دشتِ خفچاق میں اس رہروِ درماندہ کو
کتنی بے مہری سے یارانِ وطن چھوڑ گئے
یہی تھی رسمِ وفا، ہمنفسانِ رفتہ؟

(لاش سے لپٹ جاتا ہے)

یا حبیبی، مری جاں تجھ پہ فدا ہوتی ہے

(سپاہیوں سے)

لاش کو دخمۂ شاہی میں اٹھا لے جاؤ

(لاش کو اٹھا کر لے جاتے ہیں)

(ایک منصب دار گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے)

منصب دار

آسماں جاہ!

آشور

کہو!

منصب دار

تاب کہاں سے آئے
اور اک تیر قضا پہلو میں پیوست ہوا!
ابھی سیلاب کے آ جانے سے
بند سب ٹوٹ گئے شہر ہوا زیر آب
اسلحہ بھیگ گیا توپوں نے گولے اگلے
اور مہتاب دکھائی تو گئی رنجک چاٹ

آشور

کیا کرے کوئی جو تقدیر ہی یلغار کرے
تس پہ بھی اہلِ دغا گرمِ عمل رہتے ہیں
دوستو! زندگی و موت کی جولانگہ ہیں
ابھی باقی ہیں بہت باب اولوالعزمی کے
آسرا کوکبۂ بخت و زمانہ کا ہے یا
عزم مردانہ و بازوئے دلیرانہ کا
نعرۂ بوق سے عیوق کا دل دہلا دو
شیرِ غرّاں کی طرح پیلِ دماں کی صورت
اے جوانانِ اشد حملہ و زعلِ قوت!
بھاگ کر مرنے سے بہتر ہے کہ کٹ کٹ کے مریں
نام تو تختۂ تاریخ پہ ہو گا منقوش!

(منصب دار چلا جاتا ہے)

عذرا

اب عناصر نے بھی سازش کر دی

آشور

لیکن امواجِ بلا خیزِ فرات
ما بدولت کی قلمرو میں نہیں
کہ جو آمادۂ سرکوبی ہوں
طاقتوں پر نہ چلا زور کسی فانی کا
فہمِ انسانی سے بالا تر ہے
کارِ نتارد و انلیّو انلیّل !

(اولیا داخل ہوتا ہے)

اولیا

شاہ ! سب راستے مسدود ہوئے
صرف اک راہ ہے وہ راہِ گریز
اپنی تلواروں نے ساتھا تو کیا گرچہ بہت
آخر کار مگر فوج نے گھونٹ کھایا
باغیوں کے پرے بگوٹ چڑھے آتے ہیں
پرچمِ آپال نگوں سار ہوا جاتا ہے
آپ فی الفور کہیں بھاگ چلیں

جاں سلامت ہے تو پھر کر لیں گے
باغِ عالم میں کوئی تازہ نشیمن آباد

آشور

ہم کو یہ مشورہ منظور نہیں۔
اپنے جانباز و جفا کوش قبیلے کے جواں
کبھی بھاگے نہیں نامرد بھگوڑوں کی طرح
زخم پر سودۂ الماس چھڑکتے ہیں نہاں
کہ ہو سینے پہ نشانِ جراحت کا گماں
ننگ ہے زخم اگر پشت پہ ہو
موت کی آگ میں ہستی کی قبا جلنے دو
چوبِ تسمہ کی چتا ایک چتا!

اولیا

ظلِ آشور!

آشور

کوئی عذر بھی مسموع نہیں
یہ ہے فرمانِ دمِ بازپسیں

اس کی تعمیل ہو !

اولیا

تڑپت ، چھت پال !

(چلا جاتا ہے)

آشور

چاند تاروں نے یہ نظارہ نہ دیکھا ہو گا
جو ابھی شعلۂ ہیجاں سے ہویدا ہو گا

(اولیا ایک نقیب کو لیے داخل ہوتا ہے)

اولیا

شاہِ ازبک کا سفیر آتا ہے

آشور

بول !

نقیب

شاہِ ذی جاہ !

آشور

انقلابات زمانے کے اخاہ !

نقیب

آپ کو جاں کی اماں دیتے ہوئے
مسندِ ملکِ سبا سونپتے ہیں

اولیا

یہی مژدہ ہے نظر بندی کا
مرغِ اقبال گلستاں میں تو دام رہے
بے پر و بال اسیرِ ہوسِ خام رہے
کیا سفارت بھیجی ہے !

نقیب

آپ اس رحم و کرم کے بدلے
تینوں دلبند حکومت کے حوالے کر دیں

آشور

واہ کیا خوب کرم فرمائی!

نقیب

منتظر آپ کے پیغام کا ہے یہ ناچیز!

آشور

اپنے آقا سے کہو مہلتِ یک ساعت دے:

(نقیب چلا جاتا ہے)

(اولیا سے)

مجھے رُسوا نہ کرو سن و زندگی سے ڈرو
وقت باتوں کا نہیں کام کا ہے

اولیا

ابھی ارشاد کی تعمیل ہوئی جاتی ہے

(سپاہی تخت کے اردگرد لکڑیوں کا

ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ و۔ عود سلگاتے ہیں)

اپنے پروردۂ نعمت کو بھی!
اے خداوند رفاقت کی اجازت دیجو!

آشور

تم ابھی رنگِ طلسماتِ زمانہ دیکھو
سکر و سرگشتگیٔ بزمِ مغانہ دیکھو
عشرتِ زیست کے لوٹو مزے۔ آباد رہو
ہم تو جاتے ہیں خرابات سے تم شاد رہو

(سب لوگ چلے جاتے ہیں)

(عذرا، مشعل اور جامِ شراب باقی ہے)

عذرا

یہ چتا ایک کھٹولا ہے جنازہ بردوش
جس میں دو پیکرِ خاکستر پوش
بہ زبانِ خاموش
شرحِ اسرارِ تمنا کرتے
عازمِ عالمِ بالا ہونگے

آشور

(اس کے ہاتھ سے جام شراب
پیتے ہوئے)

مری عذری، مرے خوابوں کی سمن پوش پری
ثمرِ خوبی و دُرِّ صدفِ محبوبی!
مری مقصودِ صمیمی، مری رُوحِ شیریں!
اپنی جرأت پہ کہیں تو متاسف تو نہیں!

عذرا

مرے چت چور سجنوا، مرے مطلوبِ حسیں!
جادۂ راہِ وفا جُز دمِ شمشیر نہیں
زندگی عشق کو ملتی ہے شہادت گہ میں
شمع و پروانہ بہ آغوشِ صبا بعدِ فنا
باغ و بستاں میں ضیا بیز و پر افشاں ہونگے
دلِ عشاق نہ خاک بھی آشفتہ مزاج
رنگ و بوئے گلُ و ریحاں سے نمایاں ہونگے

الوداع اے دلِ زندہ کے خیاباں زادو

اے شبستانوں کے گُل پوش حسیں نظّارو
پُر فضا منظرو، اے وادیو، اے کہسارو!
سحر و شام کے سیماب قدم ہرکارو!
ہم تو اس گلشنِ ہستی سے سفر کرتے ہیں
تم پہ اک آخری حسرت کی نظر کرتے ہیں!

آشور

الوداع اے مرے اسلاف کی جولاں گاہو
الوداع اے غم و عشرت کے جواں گہوارو
الوداع اے چمن و چشمہ و سنبل زارو!

(چتا میں بیٹھ جاتا ہے)

مری جاں!

عذرا

(چتا کو آگ دکھا کر اس میں
کُود جاتی ہے)

میں تجھے ڈھونڈن چلیاں!
میرے سانول سیّاں!
پھول کھلے ہیں، کھلی ہیں کلیاں!

(لپکتے شعلے دونوں کو اپنی
آغوش میں لے لیتے ہیں!)

آشفتگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشاں
مُشتِ غبار لے کے صبا نے اُڑا دیا!